



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان، نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

اُردو

برائے جماعت وہم

Web version of PECTAA textbook
Not for Sale



پنجاب ایجوکیشن، کریکولم، ٹریننگ اینڈ اسمنٹ اتھارٹی



جملہ حقوق (کاپی رائٹ) بحق پنجاب ایجوکیشن، کریکولم، ٹریننگ اینڈ اسسٹنٹ اتھارٹی، لاہور محفوظ ہیں۔
تحریری اجازت کے بغیر اس کتاب کا کوئی حصہ کسی امدادی کتاب، خلاصہ، ماڈل پیپر یا گائیڈ وغیرہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔

مؤلفین

ڈاکٹر محمد جاوید خان

شعبہ اُردو
آزاد جموں و کشمیر یونیورسٹی، مظفر آباد

پروفیسر ڈاکٹر محمد عطا اللہ

چیرمین شعبہ اُردو
لاہور لینڈ یونیورسٹی، لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم بزمی

ڈین فیکلٹی آف آرٹس، صدر شعبہ اُردو
گورنمنٹ گریجویٹ کالج آف سائنس، وحدت روڈ، لاہور

پروفیسر مشتاق احمد ساقی

صدر شعبہ اُردو
گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، میرپور آزاد کشمیر

پروفیسر شاہد بلال

صدر شعبہ اُردو
ملٹری کالج، مری

اسفندیار بادینی

ڈائریکٹر ہیومن ریسورس بلوچستان
زرغون روڈ، کوئٹہ

سینئر ہیڈ ماسٹر، گورنمنٹ ہائی سکول R-97/6، ہارون آباد، بہاول نگر

محمد اختر ضیا

ادارت

اراکین ریویو کمیٹی

ڈاکٹر محمد خاور نواز ش

شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

ڈاکٹر طارق حبیب

شعبہ اُردو، گودھا پور یونیورسٹی، سرگودھا

پروفیسر محمد ظفر الحق چشتی

سابق صدر شعبہ اُردو، گورنمنٹ ایم اے اداک، لاہور

مرید حسین اوجلہ

گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول، جام پور، ضلع راجن پور

محمد زبیر ساعی

سابق ڈائریکٹر بحکمہ خواندگی و غیر رسمی اور بنیادی تعلیم، لاہور

پروفیسر محمد اصغر چیمہ

پرنسپل، گورنمنٹ کالج لنگھہ منڈی، ضلع وزیر آباد

ڈاکٹر جمیل الرحمن

ڈپٹی ڈائریکٹر (ٹیکنیکل) C&C پونٹ، پیکانہ، لاہور

سرفراز احمد فتنیانہ

ماہر مضمون (اُردو) C&C پونٹ، پیکانہ، لاہور

محمد ظہیر کاشر روٹو

ماہر مضمون (اُردو) C&C پونٹ، پیکانہ، لاہور

ڈاکٹر ہارون میو

گورنمنٹ ہائی سکول، چوہنگ خورد، لاہور

افتخار حسین کاظمی (رہنما)

گورنمنٹ ہائی سکول بکھو ڈھرا، لاہور

ڈاکٹر اعجاز احمد باجوہ

گورنمنٹ گریجویٹ کالج فار بوائز، ٹاؤن شپ، لاہور

ٹیکنیکل کمیٹی:

محترمہ مہتاب کرن

گورنمنٹ گرلز ہائر سیکنڈری سکول، شاہدہ ٹاؤن لاہور

محترمہ شمع ناز (سینئر میسٹریس)

گورنمنٹ گرلز ہائی سکول، پٹھانہ، لاہور

ڈاکٹر عدنان بشیر

گورنمنٹ گریجویٹ ایم اے اداک، لاہور

سپیشل کمیٹی:

ڈاکٹر محمد سہیل سرور

ڈپٹی ڈائریکٹر (نصاب)

رابطہ کار:

سرفراز احمد فتنیانہ

ماہر مضمون (اُردو)

ڈاکٹر جمیل الرحمن

ڈپٹی ڈائریکٹر (ٹیکنیکل)

نگران

انچارج آرٹ سیل

تجرباتی ایڈیشن

صفدر ولید

پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم بزمی

ڈپٹی ڈائریکٹر (C-H)

تیار کردہ

عامر ریاض

حافظ انعام الحق

ڈائریکٹر (C&C)

ڈیزائننگ

DATE OF PRINTING	PMU	DANISH SCHOOL	PEF	MLWC	SPECIAL EDUCATION	PWWF	TOTAL QUANTITY
Jan, 2026	761,724	6,186	143,285	343	1,057	4,091	916,686

ناشر: پنجاب ایجوکیشن، کریکولم، ٹریننگ اینڈ اسسٹنٹ اتھارٹی، لاہور
مطبع: ایم اے اینڈ بی ٹرنز، لاہور

حُسنِ ترتیب

حصہ حمد و نعت

صفحہ نمبر	شاعر	عنوان	نمبر شمار
2	امیر مینائی	حمد	1
7	ماہر القادری	نعت	2

حصہ نثر

صفحہ نمبر	مصنف	عنوان	نمبر شمار
12	شبلی نعمانی	اخلاقِ نبوی ﷺ	3
19	مولانا الطاف حسین حالی	ترسید کا بچپن	4
28	اشفاق احمد	محسنِ محلہ	5
35	منشی پریم چند	کفارہ	6
48	پطرس بخاری	سویرے جو کل آنکھ میری کھلی	7
57	شفیع عقیل	دوستی کا پھل	8
66	سید غلام الثقلین نقوی	میرا گاؤں	9
74	جمیل الدین عالی	بابل کے کھنڈر	10
83	میرزا ادیب	اولڈ اتچ ہوم	11
101	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں	12



حصہ نظم

صفحہ نمبر	شاعر	عنوان	نمبر شمار
108	نظیر اکبر آبادی	آدمی نامہ	13
114	میر بر علی انیس	نمودِ صُبح	14
120	علامہ محمد اقبال	خطاب بہ جوانانِ اسلام	15
126	آنور مسعود	وغیرہ	16

حصہ غزل

صفحہ نمبر	شاعر	عنوان	نمبر شمار
131	مرزا اسد اللہ خاں غالب	باز بچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے	17
136	مومن خاں مومن	اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا	18
141	حسرت موہانی	ہے مشقِ سخن جاری، چلی کی مشقت بھی	19
146	زہرا نگاہ	یوں کہنے کو پیرایہ اظہار بہت ہے	20
150		فرہنگ	
157		سوالیہ پرچے کی تیاری بارے ہدایات	
158		ماڈل سوالیہ پرچہ	

ہر سبق کے آغاز میں، اس کے مصنف / شاعر کا مختصر تعارف دیا گیا ہے، جس کا مقصد صرف پس منظر ہی علم فراہم کرنا ہے۔ یہ تعارف؛ کسی بھی صورت اور کسی بھی انداز میں، سکول / کالج اور بورڈ کے کسی ٹیٹ یا امتحان کے کسی سوال کا حصہ قطعاً نہیں ہوگا۔

ضروری نوٹ





امیر مینائی

(۱۸۲۹ء - ۱۹۰۰ء)

منشی امیر مینائی، نصیر الدین حیدر (شاہ اودھ) کے عہد میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام مولوی کرم محمد تھا۔ وہ حضرت مخدوم شاہ مینا لکھنویؒ کی اولاد سے تھے، اس لیے اپنے نام کے ساتھ ”مینائی“ لکھتے تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم، مفتی سعد اللہ رام پوری سے حاصل کی۔ بعد ازاں تعلیم کی تکمیل کے لیے فرنگی محل کے مدرسے میں داخل ہوئے۔ منشی مظفر علی اسیر سے شاعری میں اصلاح لی۔ کم عمری ہی میں شاعری میں بلند مقام حاصل کر لیا۔ ابھی اُن کی عمر بیس سال تھی کہ نواب واجد علی خاں اختر نے اپنے دربار میں طلب کیا اور کلام سنا۔ بیالیس سال رام پور کے نواب یوسف علی خاں اور نواب کلپ علی خاں کے اُستاد رہے۔ آخری زمانے میں نواب مرزا داغ نے انھیں حیدر آباد بلوایا، وہاں جاتے ہی بیمار پڑ گئے اور اسی بیماری کے دوران میں وفات پا گئے۔

امیر مینائی کا شمار اپنے عہد کے قادر الکلام شاعروں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے تمام اصناف میں شاعری کی مگر غزل اور نعت کی طرف زیادہ رجحان رہا۔ اُن کی شاعری، زبان و بیاں کی خوبیوں اور فکر و خیال کی رعنائیوں کا مجموعہ ہے۔ ان کی نعتوں میں آؤزد کے مقابلے میں آمد کا رنگ غالب ہے۔ انھوں نے محاورات اور صنائع کو اس عمدگی سے برتا ہے کہ کلام میں کہیں بھی قصّے پیدا نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے الفاظ و تراکیب کا استعمال بھی محتاط ہو کر کیا ہے اور حتی الامکان سادگی اور روانی کا پہلو پیش نظر رکھا ہے۔ ان کی نعتوں میں درد و اثر اور سوز و گداز کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔

امیر مینائی کی تصانیف میں ”مرآۃ الغیب“، ”صنم خانہ عشق“ اور ”محامد خاتمہ النبیین“ شامل ہیں۔ انھوں نے شاعروں کا ایک تذکرہ ”انتخابِ یادگار“ کے نام سے بھی مرتب کیا۔ اُن کا نام تمام لغت ”امیر اللغات“ ایک اہم علمی کارنامہ مانا جاتا ہے۔





حمد

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو حمد یہ ادب سے روشناس کرنا
- شامل کتاب حمد کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے آشنا کرنا
- امیر مینائی کی حمد نگاری سے متعارف کرانا
- قلب و نظر میں عظمت توحید اور ایمان کی چنگی کا احساس پیدا کرنا
- نظم پر لحاظ موضوع (حمد، نعت، منقبت اور مناجات) کا تعارف کرانا

دُوسرا کون ہے جہاں تُو ہے
کون جانے تجھے کہاں تُو ہے
لاکھ پردوں میں تُو ہے بے پردہ
سَو نشانوں پہ بے نشان تُو ہے
تُو ہے خلوت میں تُو ہے خلوت میں
کہیں پنہاں کہیں عیاں تُو ہے
نہیں تیرے سوا یہاں کوئی
میزباں تُو ہے، میہماں (1) تُو ہے
نہ مکاں میں نہ لامکاں میں کچھ
جلوہ فرما یہاں وہاں تُو ہے
رنگ تیرا چمن میں بُو تیری
خُوب دیکھا تو باغباں تُو ہے
محرمِ راز تو بہت ہیں امیر
جس کو کہتے ہیں رازداں تُو ہے

(صنم خانہ عشق)

(1) ضرورت شعری کے تحت لفظ ”میہماں“ کو ”میہماں“ لکھا گیا ہے۔



مشق

”حمز“ کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

- i شاعر نے کس شعر میں استفہامیہ انداز اپنایا ہے؟ شعر کی نشان دہی کریں۔
- ii ”لاکھ پردوں میں تُو ہے بے پردہ“ کا مطلب واضح کریں۔
- iii ”حمز“ کے مطلع کے خیال کی کوئی اور مثال پیش کریں۔
- iv شاعر نے چھٹے شعر میں کس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو باغ، چمن اور رنگ و بو سے جوڑا ہے؟
- v شاعر کا حمز کہنے کا انداز کتنا مؤثر ہے؟

درست جوابات کی نشان دہی کریں:

2

زیر نظر ”حمز“ کے شاعر کا نام ہے:

i

(الف) علامہ محمد اقبال (ب) حفیظ جالندھری (ج) ماہر القادری (د) امیر مینائی

”تُو ہے خلوت میں تُو ہے جلوت میں“ کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ:

ii

(الف) صرف خلوت میں ملتا ہے (ب) جلوت میں نظر آتا ہے

(ج) جنگلوں اور بیابانوں میں موجود ہے (د) ہر جگہ موجود ہے

”میزبان“ اور ”مہمماں“ دونوں الفاظ ہیں:

iii

(الف) مترادف (ب) متضاد (ج) تشابہ (د) متجانس

لفظ ”لامکان“ میں ”لا“ قواعد کی رو سے ہے:

iv

(الف) سابعہ (ب) لاحقہ (ج) حرف نفی (د) حرف ایجاب

”رنگ، چمن، بو اور باغبان“ کے الفاظ شعری صنعت سے تعلق رکھتے ہیں:

v

(الف) صنعت تکرار سے (ب) صنعت تلمیح سے

(ج) صنعت مراعات النظیر سے (د) صنعت مبالغہ سے

درج ذیل شعری تشریح متعلقہ حوالوں کی مدد سے کریں تاکہ شعری فکری اور فنی معنویت گھل جائے:

3

لاکھ پردوں میں تُو ہے بے پردہ
سو نشانوں پہ بے نشان تُو ہے



4 ”حمد“ کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

5 ”نظم“ کا بغور مطالعہ کریں اور اس کا مرکزی خیال لکھیں۔

6 ”حمد“ میں شاعر نے اللہ تعالیٰ کی کن کن صفات کا ذکر کیا ہے؟

7 ”حمد“ کے تقاضے مد نظر رکھتے ہوئے بتائیں کہ ہم ذاتِ باری تعالیٰ کی مہربانیوں کا شکر کیسے ادا کر سکتے ہیں؟

8 درج ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں:

خوب

چمن

پنہاں

جلوت

خلوت

9 کالم ”الف“ میں دیے گئے الفاظ کو کالم ”ب“ کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

کالم ”ب“

میہماں

لامکاں

بے نشان

جلوت

عیان

کالم ”الف“

خلوت

میزباں

مکاں

پنہاں

نشان

حمد، نعت، منقبت اور مناجات

حمد عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا معنی تعریف و ثناء ہے۔ اصطلاح میں حمد سے مراد وہ نظم ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ثنا کی گئی

ہو۔ حمد، شاعری کی نہایت معتبر صنف ہے، مثلاً:

(امیر مینائی)

دوسرا کون ہے ، جہاں تُو ہے

کون جانے تجھے ، کہاں تُو ہے





ماہر القادری

(۱۹۰۶ء-۱۹۷۸ء)

ماہر القادری کا اصل نام منظور حسین اور ماہر تخلص ہے۔ وہ ۳۰ جولائی ۱۹۰۶ء کو ضلع بلندشہر (یو۔ پی، بھارت) کے ایک قصبہ کیسر کلاں میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد معشوق علی ہے۔

ماہر القادری نے قرآن حکیم اور اردو کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے کتب سے حاصل کی۔ ۱۹۲۶ء میں انھوں نے میٹرک کا امتحان مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پاس کیا۔ انھوں نے ۱۹۲۹ء میں حیدرآباد دکن کے محکمہ ڈاک میں ملازمت حاصل کی۔ وہ حیدرآباد دکن میں کم و بیش پندرہ برس تک مقیم رہے۔ ۱۹۴۴ء میں بمبئی منتقل ہو گئے۔

قیام پاکستان کے بعد اپریل ۱۹۴۹ء کو ماہر القادری نے ماہنامہ ”فاران“ کا اجرا کیا، جو بڑی پابندی کے ساتھ ۲۹ برس تک شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۵۲ء میں ماہر صاحب نے حج کے مشاہدات و تاثرات پر ”کاروانِ حجاز“ کے نام سے کتاب تحریر کی۔ ماہر القادری کی کتب درج ذیل ہیں:

- | | | |
|-------------------------------|-------------------|-----------------|
| (۱) ظہورِ قدسی (نعتیہ مجموعہ) | (۲) محسوساتِ ماہر | (۳) نغماتِ ماہر |
| (۴) ذکرِ جمیل | (۵) فردوس | (۶) جذباتِ ماہر |
| (۷) آتشِ خاموش | (۸) درِ شمیم | (۹) یادِ رفتگان |
| (۱۰) کلیاتِ ماہر القادری | | |

مجموعی اعتبار سے ماہر کی صحت عمر بھر قابلِ رشک رہی، آخری چند سال وہ عارضہ قلب میں مبتلا رہے اور ۲۷ برس کی عمر میں ۱۹۷۸ء میں وفات پا گئے۔

ماہر القادری کے نعتیہ کلام کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی نبی کریم ﷺ سے والہانہ محبت اور گہری عقیدت ہے جو ان کے اشعار میں جھلکتی ہے۔ ان کا اُسلوب نہایت سادہ، رواں اور دل نشیں ہے۔ ان کی نعتیں روحانی کیفیات سے بھرپور ہوتی ہیں اور سننے یا پڑھنے والے کو ایک وجدانی احساس عطا کرتی ہیں۔



نعت

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو نعت کے لغوی، اصطلاحی مفہوم اور روایت و ارتقا کے بارے میں آگاہ کرنا
- طلبہ میں قرآن و سنت کی اہمیت اور اطاعتِ الہی، اطاعتِ رسول ﷺ کا ذوق پیدا کرنا
- طلبہ میں نعت گوئی اور نعت خوانی کا عمدہ ذوق پیدا کرنا
- نظم کی اقسام اور مصرع، شعر، قافیہ اور ردیف کے بارے میں طلبہ کو بتانا

رسولِ مجتبیٰؐ کہیے، محمدؐ مصطفیٰؐ کہیے
 خدا کے بعد بس وہ ہیں، پھر اس کے بعد کیا کہیے
 شریعت کا ہے یہ اصرار ختم الانبیاءؑ کہیے
 محبت کا تقاضا ہے کہ محبوبِ خدا کہیے
 جب اُنؐ کا ذکر ہو دنیا سراپا گوش ہو جائے
 جب اُنؐ کا نام آئے مرجا صلی علی کہیے
 مرے سرکارؐ کے نقش قدم شمعِ ہدایت ہیں
 یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا رस्ता کہیے
 محمدؐ کی نبوت دائرہ ہے نورِ وحدت کا
 اسی کو ابتدا کہیے، اسی کو انتہا کہیے
 غبارِ راہِ طیبہ سُرْمہٗ چشمِ بصارت ہے
 یہی وہ خاک ہے جس خاک کو خاکِ شفا کہیے
 مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے
 مری آنکھوں کو ماہرِ چشمہٗ آبِ بقا کہیے

(کلیاتِ ماہر القادری)



(مشق)

1 ”نعت“ کے متن کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- i ”نعت“ کس زبان کا لفظ ہے؟ اصطلاح میں ”نعت“ سے کیا مراد لی جاتی ہے؟
- ii شاعر کے نزدیک ”شریعت“ اور ”محبت“ کے تقاضے کیا ہیں؟
- iii ”سراپا گوش ہونا“ کا مطلب کیا ہے؟ اس کی مثال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرت سے پیش کریں۔
- iv ”چشمہ آب بقا“ ایک تلمیح ہے، اس کی وضاحت کریں۔
- v نبی کریم ﷺ کا نام نامی سننے پر ایک مسلمان کو کیا کہنا چاہیے؟

2 ماہر القادری نے اس ”نعت“ میں نبی کریم ﷺ کے لیے کون سے القاب استعمال کیے ہیں؟ فہرست بنائیں۔

3 درست جوابات کی نشان دہی کریں:

- i ”نعت“ میں ردیف ہے:
 - ii شاعر کے نزدیک مکمل خاموشی اختیار کریں جب اُن ﷺ کا:
 - iii ”مجتبیٰ“ اور ”مصطفیٰ“ کے الفاظ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہیں:
 - iv ”خاک“ کا لفظ نعت میں آیا ہے:
 - v ”نعت“ کے مقطع میں شاعری آنکھوں میں آنسو نہ رکنے کا سبب ہے:
- (الف) کہیے (ب) کیا کہیے (ج) آج بقا کہیے (د) خاکِ شفا کہیے
- (الف) نام آئے (ب) ذکر آئے (ج) خیال آئے (د) خواب آئے
- (الف) کنیت (ب) القاب (ج) خطاب (د) اعزاز
- (الف) ایک مرتبہ (ب) دو مرتبہ (ج) تین مرتبہ (د) چار مرتبہ
- (الف) شہر مکہ کی یاد (ب) شہر مدینہ کی یاد (ج) راہِ طیبہ کی یاد (د) خاکِ نجف کی یاد

4 شامل کتاب ”نعت“ کے چھٹے شعر کا موازنہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل شعر سے کریں:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
نُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف





5 جماعت میں نعت کے مصرع ”اسی کو ابتدا کہیے، اسی کو انتہا کہیے“ پر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی روشنی میں گفت گو کریں:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآن ، وہی فرقان ، وہی یسین ، وہی ظلّہ

6 نعت میں برتے جانے والے توانی لکھیں۔

7 نعت کے نکات پر غور کرتے ہوئے اپنے الفاظ میں خلاصہ تحریر کریں۔

8 مناسب الفاظ کی مدد سے نعت کے مصرعے مکمل کریں: (مغفرت، راہِ طیبہ، محبوبِ خدا، مرحبا، سراپا گوش)

i محبت کا تقاضا ہے کہ _____ کہیے

ii جب اُن کا ذکر ہو دنیا _____ ہو جائے

iii جب اُن کا نام آئے _____ صلّ علی کہیے

iv یہ وہ منزل ہے جس کو _____ کا راستا کہیے

v غبار _____ سرمہ چشم بصارت ہے

9 درج ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں:

منزل

شفا

وحدت

مغفرت

محبت

شریعت

نظم کی اقسام

نظم کو عام طور پر درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:

پابند نظم معرّٰی نظم آزاد نظم نثری نظم

ہم یہاں پابند نظم پر بات کریں گے۔ پابند نظم میں اوزان و بحر کے ساتھ ساتھ قافیہ اور ردیف کی پابندی کی جاتی ہے اور یہ کسی مروّجہ ہیئت مثلاً مخمس، مسدّس وغیرہ کی شکل میں ہوتی ہے۔ نصاب میں مصرع، شعر، قافیہ اور ردیف کی شناخت کرنا شامل ہے۔ آئیے! ان چاروں شعری اصطلاحات کی وضاحت کرتے ہیں:

مصرع عربی زبان میں مصرع کے لغوی معنی دروازے کا ایک تختہ کے ہیں، جسے اُردو میں کواڑ کہتے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں

آدھا شعر یا شعر کا نصف حصّہ ”مصرع“ کہلاتا ہے، جیسے:

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی

یادر ہے، دو مصرعے مل کر ایک شعر بناتے ہیں جیسے:





ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

شعر مقررہ وزن اور بحر میں لکھی ہوئی تحریر شعر کہلاتی ہے۔ ایک شعر میں دو مصرعے ہوتے ہیں۔ پہلے مصرعے کو مصرع اولیٰ اور دوسرے کو مصرع ثانی کہتے ہیں، جیسے:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھیرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

قافیہ شاعری میں قافیوں سے مراد شعر کے آخر میں آنے والے ہم آواز الفاظ ہیں جو، ہر شعر میں بدل بدل کر لائے جاتے ہیں، مثلاً:

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

اس شعر میں ”حباب“ اور ”سراب“ قافیہ ہیں۔

ردیف شعری اصطلاح میں ردیف سے مراد وہ لفظ یا الفاظ ہیں جو قافیہ کے بعد بار بار آئیں، چوں کہ ردیف کے عربی زبان میں لغوی معنی سوار کے پیچھے بیٹھنے والی سواری کے ہیں اور ردیف کے الفاظ بھی ہمیشہ قافیہ کے بعد آتے ہیں، اس لیے اسی مناسبت سے انھیں ردیف کہا جاتا ہے، جیسے:

پتا پتا، بُوٹا بُوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

میر تقی میر کے اس شعر میں ”جانے ہے“ کے الفاظ بطور ردیف استعمال ہوئے ہیں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- خوش الحان طلبہ نعت تیار کر کے جماعت اور اسمبلی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔
- اپنی پسندیدہ نعت بیاض میں خوش خط تحریر کریں۔
- کمپیوٹر انٹرنیٹ سے خوب صورت نعتیں ڈاؤن لوڈ کریں اور اپنے طالب علم ساتھیوں کو سنائیں۔
- نعت میں استعمال ہونے والے عربی اور فارسی زبان کے الفاظ و تراکیب کی الگ الگ فہرست تیار کریں اور لغات سے ان کے معانی بھی تلاش کریں۔
- ماہر القادری نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نچا ور کیے ہیں۔ آپ بھی کسی خوش الحان طالب علم کی زبانی یہ نعت سنیں اور آداب محفل نعت کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

اشارات تدریس

- طلبہ کو نعت کے لفظی اور فکری مطالب سے آگاہ کریں۔
- طلبہ کو صنفِ نعت کے علمی، ادبی تقاضوں اور نزاکتوں کے بارے میں بتائیں۔
- طلبہ کے دلوں میں عشقِ رسول ﷺ کے حقیقی تقاضے جاگزیں کریں۔

۱۔ ٹھہرتی کو ضرورتِ شعری کے تحت ”ٹھیرتی“ لکھا گیا ہے۔





شبلی نعمانی

(۱۸۵۷ء - ۱۹۱۳ء)

شبلی نعمانی قصبہ بنہول ضلع اعظم گڑھ، ہندوستان میں ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ حبیب اللہ وکیل تھے۔ شبلی نے بھی کچھ عرصہ وکالت کی، پھر علی گڑھ کالج میں فارسی کے اُستاد مقرر ہو گئے۔ وہاں انھیں سر سید احمد خاں، حالی، محسن الملک اور پروفیسر نکلسن آرنلڈ کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ ۱۸۹۲ء میں آرنلڈ کے ساتھ شبلی نے مصر، شام، قسطنطنیہ اور دوسرے اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ سر سید کی وفات (۱۸۹۸ء) کے بعد، علی گڑھ کالج سے استعفیٰ دے کر، اعظم گڑھ چلے گئے۔ پھر حیدر آباد دکن کے دائرۃ المعارف کی نظامت کا عہدہ سنبھالا۔ اسی دوران میں ان کی کوشش سے لکھنؤ میں ”ندوۃ العلما“ کا قیام عمل میں آیا۔ اخیر عمر میں اعظم گڑھ میں انھوں نے ایک عظیم ادارہ ”دارالمصنفین“ قائم کیا، جو آج بھی کام کر رہا ہے۔

شبلی نعمانی شاعر بھی تھے لیکن ان کی شہرت کا مدار زیادہ تر ان کی نثر پر ہے۔ ان کا شمار اردو کے بڑے نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔

شبلی نے اگرچہ متنوع موضوعات مثلاً: تاریخ، تنقید، سوانح، سیرت، تذکرہ، ادب، معاشرت، عقائد، تصوف اور سیاست پر قلم اٹھایا، مگر ان کے طرزِ اظہار میں ادبیت کی شان موجود ہے۔ جوشِ بیان، ایجاز و اختصار، روانی و برجستگی، محققانہ انداز، غنائیت اور شعریت ان کے اسلوبِ بیان کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ شبلی کی تمام ادبی کاوشوں سے قطع نظر، ان کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ سیرۃ النبیؐ ہے۔

شبلی کی متعدد تصانیف ہیں۔ اہم تصانیف میں: ”شعر العجم“ (پانچ جلدیں)، ”الفاروقؓ“، ”المامونؓ“، ”سیرۃ النعمانؓ“، ”الغزالیؒ“، ”سوانح مولانا رومؒ“ اور ”سفر نامہ روم و مصر و شام“ وغیرہ شامل ہیں۔



اخلاقِ نبوی ﷺ خاتم النبیین ﷺ الہ و أصحابہ وسلم

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو سیرت طیبہ سے روشناس کرانا
- اسلامی اخلاقیات کی بنیادی قدروں سے آگاہ کرنا
- طلبہ میں رسالت مآب ﷺ کی سیرت کے حوالے سے علمی اور تحقیقی رجحان پیدا کرنا
- شبلی نعمانیؒ کی سیرت نگاری کی امتیازی خصوصیات کے بارے میں بتانا
- طلبہ کو قواعد و اثنا (جمع سالم، جمع مکتسر، جمع الجمع اور مضمون نویسی) کے بارے میں بتانا

اس سے پہلے کہ حضور اکرم ﷺ خاتم النبیین ﷺ الہ و أصحابہ وسلم کے اخلاقِ مبارکہ کے جزئی اور تفصیلی واقعات لکھے جائیں، ان صاحبوں کے بیانات زیر تحریر آتے ہیں، جنہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں سالہا سال اور مدت ہائے دراز بسر کی ہیں اور جو آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کے دفتر کے ایک ایک حرف سے واقف تھے۔ انسان کے حالات کا واقعہ کار اُس کی رفیقہ حیات سے بڑھ کر دنیا میں کون ہو سکتا ہے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ ﷺ کی خدمتِ زوجیت میں رہی تھیں، زمانہ آغازِ زوجی میں آپ ﷺ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں:

”ہرگز نہیں! خدا کی قسم، خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، مقررہوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمان کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔“

ابہائے المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر کسی نے آپ ﷺ کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کیے ہیں، فرماتی ہیں:

”حضور اکرم ﷺ کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی، بُرائی کے بدلے میں بُرائی نہیں کرتے تھے، بلکہ

درگزر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے، آپ ﷺ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں جو،

آسان ہوتی، اُس کو اختیار فرماتے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا لیکن جو

احکامِ الہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اُس سے انتقام لیتا تھا (یعنی خدا کی طرف سے جو جب احکامِ ربانی

آپ ﷺ پر حد جاری فرماتے تھے)۔ آپ ﷺ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر

لعنت نہیں کی، آپ ﷺ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو، خادم کو، جانور کو اپنے ہاتھ



سے نہیں مارا۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی، لیکن یہ کہ وہ ناجائز ہو۔
آپ ﷺ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں، ہنستے اور مسکراتے ہوئے دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے، باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہیے تو رکھ لے۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور آغاز نبوت سے آخر عمر تک، کم از کم ۲۳ برس آپ ﷺ کی خدمت کی، سے آپ ﷺ کی نسبت سے سوال کیا گیا تو فرمایا:

”آپ ﷺ خندہ جبین، نرم خُو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔ کوئی بُرا کلمہ منہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے، عیب جو نہ تھے۔ کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ ﷺ کو نا پسند ہوتی تو اس سے انغماض فرماتے تھے، کوئی آپ ﷺ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس کرتے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے، (یعنی صراحتاً انکار و تردید نہیں کرتے، بلکہ خاموش رہتے تھے، اور مزاج شناس آپ ﷺ کے طور سے آپ ﷺ کا مقصد سمجھ جاتے تھے۔) اپنے نفس سے تین چیزیں آپ ﷺ نے بالکل دور کر دی تھیں: بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے، کسی کو برا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔ وہی باتیں کرتے تھے، جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔ جب آپ ﷺ کلام کرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس طرح خاموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جب آپ ﷺ چپ ہو جاتے تو پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے۔ کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا، چُپ چاپ سنا کرتے۔ لوگ جن باتوں پر ہنستے، آپ ﷺ بھی مسکرا دیتے۔ جن پر لوگ تعجب کرتے، آپ ﷺ بھی کبھی کرتے، کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفت گو کرتا تو آپ ﷺ تحمل فرماتے، دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سنا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اگر کوئی آپ ﷺ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے۔ جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا، آپ ﷺ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔ نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی وفعتا آپ ﷺ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔“

حضرت ہند بن ابی بالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو گویا حضور اکرم ﷺ کے آغوش پروردہ تھے، وہ بیان کرتے ہیں:

”آپ ﷺ نرم خُو تھے، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ شکر فرماتے تھے، کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے۔ کھانا، جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے اور اس کو برا بھلا نہ کہتے۔ کوئی اگر کسی امر حق کی مخالفت کرتا تو آپ ﷺ کو غصہ آ جاتا اور حق کی پوری حمایت کرتے، لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپ ﷺ کو غصہ نہیں آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا۔“

(سیرت النبیؐ، جلد دوم)





مشق

سبق ”اخلاق نبوی ﷺ“ کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں:

1

- i سبق کے متن کے مطابق کن شخصیات نے نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کی گواہی دی ہے؟ ان کے نام بتائیں۔
- ii حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کن الفاظ میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی؟
- iii رسالت مآب ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو آپ ﷺ کا انداز کیا ہوتا؟
- iv حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے حسنِ اخلاق کے بارے میں جو کچھ بیان کیا، ان میں سے تین خوبیوں کا ذکر کریں۔
- v نبی کریم ﷺ کے ”آدابِ گفتگو“، ”آدابِ طعام“ اور ”آدابِ مجلس“ کے بارے میں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کن لفظوں میں بیان کیا؟

درست جواب کا انتخاب کریں:

2

- i کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ ﷺ:
- (الف) پرسکون رہتے (ب) تحمل فرماتے (ج) خاموش رہتے (د) اغماض فرماتے
- ii حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کی خدمتِ زوجیت میں رہیں:
- (الف) پندرہ سال (ب) بیس سال (ج) پچیس سال (د) تیس سال
- iii اگر کوئی آپ ﷺ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو:
- (الف) مسکرا دیتے (ب) قبول فرماتے (ج) خوش ہوتے (د) دعا دیتے
- iv جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو اس بات کو اختیار فرماتے جو:
- (الف) سادہ ہوتی (ب) آسان ہوتی (ج) فائدہ مند ہوتی (د) پُر لطف ہوتی
- v اگر کوئی دفتاً آپ ﷺ کو دیکھتا تو ہوجاتا:
- (الف) مانوس (ب) مرعوب (ج) حیران (د) گرفتارِ محبت

سبق ”اخلاق نبوی ﷺ“ کا خلاصہ تحریر کریں۔

3





مناسب الفاظ کی مدد سے جملے مکمل کریں:

4

ٹوہ

بُرا بھلا

غمگین

لعنت

مہربان طبع

i ہرگز نہیں! خدا کی قسم، خدا آپ ﷺ کو کبھی نہ کرے گا۔

ii آپ ﷺ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر نہیں کی۔

iii حضور اکرم ﷺ کی عادت کسی کو کہنے کی نہ تھی۔

iv آپ ﷺ خندہ جبین، نرم خُواور تھے۔

v کسی کے اندرونی حالات کی میں نہیں رہتے تھے۔

درج ذیل پیرا گراف کی تشریح کریں:

5

اپنے نفس سے تین چیزیں آپ ﷺ نے بالکل دور کر دی تھیں: بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی نین باتوں سے پرہیز کرتے تھے: کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔ وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔

درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معانی لغت سے تلاش کر کے اپنی کاپیوں میں لکھیں:

6

خندہ جبین

احکام الہی

امہات المومنین

خدمتِ زوجیت

اخلاقِ مبارکہ

کلام کرنا

محمل

راست گو

صراحتاً

تیور

کالم ”الف“ میں دیے گئے الفاظ کو کالم ”ب“ کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

7

کالم ”ب“	کالم ”الف“
پروردہ	تربیت
انعام	آغوش
گو	احسان
حق	راست
رحمی	امر
یافتہ	صلہ





تھیسارس میں سے درج ذیل الفاظ کے مترادفات تلاش کریں:

8

واقف ضیافت درخواست عیب تناول حمایت آغاز خندہ ٹوہ محبت

اعراب کی مدد سے تلفظ واضح کریں:

9

اعانت خندہ وصف طبع مرعوب خوش صحبت

درج ذیل کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے:

10

بسر کرنا مزاج شناسی بحث و مباحثہ بُرا کلمہ آشنا ہونا

جمع سالم، جمع مکسر، جمع الجمع

جمع سالم جب کسی واحد سے جمع بنائی جائے اور واحد کی اصل صورت قائم رہے تو ایسی جمع کو جمع سالم کہتے ہیں۔ جیسے:

باغ سے باغات مکان سے مکانات کاغذ سے کاغذات

جمع مکسر یا غیر سالم ایسی جمع جس میں واحد کی اصل صورت قائم نہیں رہتی، مثلاً: کتاب سے کتب، امت سے اُمم وغیرہ۔

جمع الجمع بعض الفاظ ایسے ہیں، جن کی جمع بنا کر دوبارہ پھر جمع بنائی جاتی ہے۔ جمع کی ایسی صورت کو ”جمع الجمع“ کہا جاتا ہے۔ مثلاً:

واحد	جمع	جمع الجمع
خبر	اخبار	اخبارات
لقب	القاب	القابات
جواہر	جواہر	جواہرات
اکبر	اکابر	اکابرین

درج ذیل میں سے جمع سالم، جمع مکسر اور جمع الجمع الگ الگ کریں اور ان کے واحد بھی لکھیں:

11

حاضرین وجوہات ابواب جرائم کاتبین احکامات آفاق مجاہدین عجائبات کتب ناظرین حادثات





مضمون نویسی

مضمون کا لفظ اپنی اصل کے اعتبار سے عربی ہے، جس کے لغوی معنی ہیں: ضمن میں لیا ہوا۔ کسی مقررہ موضوع پر اپنے خیالات، جذبات، تاثرات کا تحریری اظہار، مضمون کہلاتا ہے۔ دنیا کے ہر معاملے، مسئلے یا موضوع پر مضمون قلم بند کیا جاسکتا ہے۔ مضمون کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

- ✿ مضمون کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔
- ✿ سب سے پہلے موضوع کا تعارف کرایا جاتا ہے۔
- ✿ موضوع کی وضاحت کی جاتی ہے اور آخر میں بحث کا نتیجہ پیش کیا جاتا ہے۔
- ✿ مضمون میں موضوع کے چیدہ چیدہ پہلوؤں پر دل چسپ پیرائے میں اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔

مضمون کی اقسام

مضمون کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً: علمی، تاریخی، تنقیدی، سوانحی، فلسفیانہ، سائنسی، اصلاحی، مذہبی اور ادبی وغیرہ۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- علما و دانشوروں سے ”اخلاق نبوی“ کے موضوع پر گفت گوئیں اور رپورٹ تیار کریں۔
- طلبہ ہفتہ وار ایک اخلاقی صفت اور خوبی (مثلاً: سچ بولنا، لوگوں کی مدد کرنا وغیرہ) پر عمل کریں اور اپنا تجربہ دوستوں سے بیان کریں۔
- حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بیان کی روشنی میں اطاعتِ رسول ﷺ اور باہر گاہ رسالت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی متانت و سنجیدگی پر باہم گفت گو کریں۔
- سیرت النبی ﷺ کی کوئی اور کتاب لائبریری سے لے کر پڑھیں اور دوستوں سے اظہارِ رائے کریں۔

اشاراتِ تدریس

- طلبہ کو سبق ”اخلاق نبوی“ کے مشکل متن اور تاریخی واقعات سہل اور واضح انداز میں سمجھائیں۔
- ”اخلاق نبوی“ کے اصولوں کو طلبہ کی عملی زندگی سے جوڑ کر بیان کریں۔
- اخلاق نبوی کے نمایاں پہلوؤں کو عملی زندگی کے حوالے سے بیان کریں۔
- سبق کی تدریس کے دوران کتاب کے علاوہ دیگر سمعی و بصری معاونات کا بھی استعمال کریں۔



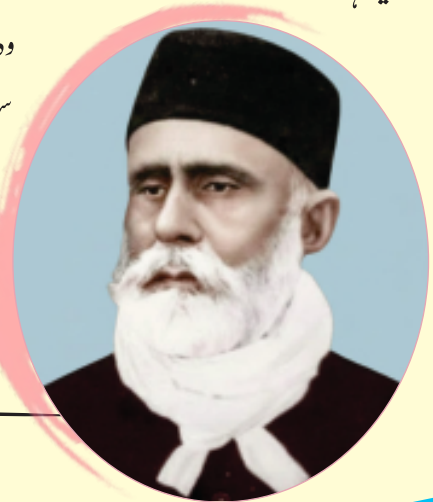
مولانا الطاف حسین حالی

(۱۸۳۷ء - ۱۹۱۳ء)

مولانا الطاف حسین حالی پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد غیاث الدین بلبن کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ نو برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ بھائیوں نے پرورش کی۔ تعلیم کی تکمیل دہلی کے علما کی صحبت میں ہوئی۔ غالب اور شیفتہ کی صحبت سے بطور خاص فیض یاب ہوئے۔ سرسید سے بھی تعلق خاطر قائم ہوا۔ شیفتہ اور غالب کے انتقال کے بعد لاہور آئے اور یہاں پنجاب بک ڈپو میں ملازمت کر لی۔ یہیں وہ انگریزی ادبیات سے متعارف ہوئے۔ جدید طرز کی نظمیں لکھیں اور اردو شاعری کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ۱۸۸۷ء میں سرکار حیدر آباد سے سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہو گیا، تو ملازمت ترک کر کے باقی عمر تصنیف و تالیف میں بسر کر دی۔

حالی کے اسلوب بیان کی سب سے نمایاں خوبی مدعا نگاری ہے۔ حالی کی غرض، اپنے مضمون کو ادا کرنے اور مطالب کو وضاحت سے پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ ان کی نثری تحریروں میں اعتدال و توازن کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ بے جا اختصار اور بے جا طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے، عبارت کو دلکش، سادہ اور مدلل بنانے میں، حالی اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ ہر بات کو سنجیدگی اور عقلیت کے ترازو میں تولتے ہیں، تخیل اور جذبات سے دوڑتے ہوئے اپنے خیالات اور حقائق کو قاری تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رشید احمد صدیقی نے حالی کے نثری اسلوب کو اردو نثر کا معیاری اسلوب قرار دیا ہے۔

وہ سوانح نگار، مضمون نگار اور نقاد ہیں۔ سرسید احمد خاں کے قریبی اور با اعتماد ساتھیوں میں رہے۔ ان کی مشہور کتابوں میں ”حیات جاوید“، ”یادگار غالب“، ”حیات سعدی“، ”مقدمہ شعر و شاعری“ اور ”مد و جزر اسلام“ شامل ہیں۔ آخر الذکر کتاب یعنی ”مد و جزر اسلام“ ”مسدس حالی“ کے نام سے بے حد مقبول ہوئی۔ ”مقدمہ شعر و شاعری“ (جو دراصل ان کے دیوان کا طویل دیباچہ ہے) جدید اردو تنقید کا نقطہ آغاز تصور کیا جاتا ہے۔



سرسید کا بچپن

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو سرسید احمد خاں کی ابتدائی زندگی اور بچپن کے اہم واقعات سے روشناس کرانا
- سرسید کے خاندانی پس منظر، تعلیمی ماحول اور شخصیت پر پڑنے والے اثرات کو سمجھنا
- سرسید کے بچپن کے تجربات کا موجودہ دور کے تعلیمی اور سماجی حالات سے موازنہ کرنا
- طلبہ میں تاریخی شخصیات کی سوانح عمری پڑھنے اور تجزیہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا

سرسید کے پیدا ہونے سے پہلے، ان کی بہن صفیۃ النساء بیگم اور ان کے بھائی سید محمد خاں پیدا ہو چکے تھے۔ سید محمد خاں کی ولادت کے بعد، چھ برس تک ان کے والدین کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا، اس لیے سید احمد خاں کے پیدا ہونے کی ان کو نہایت خوشی ہوئی۔ وہ اپنے خاندان کے اکثر بچوں کی نسبت زیادہ قوی اور توانا اور ہاتھ پاؤں سے تن درست پیدا ہوئے تھے۔ وہ اپنی ماں کی زبانی بیان کرتے تھے کہ جب اُن کے نانا دوسری بار کلکتہ سے دلی میں آئے اور ان کو پہلی ہی بار دیکھا تو یہ کہا کہ، ”یہ تو ہمارے گھر میں جاٹ پیدا ہوا ہے۔“

سرسید کے بیان سے مفہوم ہوتا تھا کہ اُن کے بچپن میں جسمانی صحت اور فزیکل قابلیت کے سوا کوئی ایسی خصوصیت، جس سے ان کے بچپن کو معمولی لڑکوں کے بچپن پر بے تکلف فوقیت دی جاسکے، نہیں پائی جاتی تھی۔ یعنی جیسے کہ بعض بچے ابتدا میں نہایت ذکی اور طباع اور اپنے ہجولیوں میں سب سے زیادہ تیز اور ہوشیار ہوتے ہیں، سرسید میں کوئی اس قسم کا صریح امتیاز نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے قوائے ذہنیہ کو محض دماغی ریاضت اور لگا تار غور و فکر سے بتدریج ترقی دی تھی اور اسی لیے ان کی لائف کا آغاز معمولی آدمیوں کی زندگی سے کچھ زیادہ چمک دار معلوم نہیں ہوتا لیکن جس قدر آگے بڑھتے جائیں اسی قدر اس میں زیادہ عظمت پیدا ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ ہیر کو معمولی آدمیوں کی سطح سے بالاتر کر دیتی ہے۔ اسی لیے بعض حکما کی یہ رائے ہے کہ محنت سے آدمی جو چاہے، سو کر سکتا ہے۔

الغرض جب سرسید پیدا ہوئے تو ان کے والد نے شاہ غلام علی صاحب سے نام رکھنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحب ہی نے بڑے بھائی کا نام ”محمد“ رکھا تھا اور اُن کا نام ”احمد“ رکھا۔ سرسید کے دادا، ان کے والد کی شادی ہونے سے پہلے قضا کر چکے تھے اور یہ اور ان کے بہن بھائی شاہ صاحب ہی کو دادا حضرت کہا کرتے تھے۔ سرسید کہتے تھے کہ شاہ صاحب کو بھی ہم سب سے ایسی ہی محبت تھی جیسی حقیقی دادا کو اپنے پوتوں سے ہوتی ہے، شاہ صاحب نے تاہل اختیار نہیں کیا تھا اور وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ: ”گو خدا تعالیٰ نے مجھے اولاد کے جھگڑوں سے آزاد رکھا ہے لیکن متقی کی اولاد کی محبت ایسی دے دی ہے کہ اُس کے بچوں کی تکلیف یا بیماری مجھ کو بے چین کر دیتی ہے۔“

سرسید کو مسماۃ مان بی بی نے جو، ایک قدیم خیر خواہ خادمہ اُن کے گھرانے کی تھی، پالا تھا۔ اس لیے ان کو مان بی بی سے نہایت محبت تھی۔ وہ پانچ برس کے تھے جب مان بی بی کا انتقال ہوا، ان کا بیان ہے کہ مجھے خوب یاد ہے کہ مان بی بی مرنے سے چند گھنٹے پہلے فالسہ کا شربت مجھ کو پلا



رہی تھی۔ جب وہ مر گئی تو مجھے اُس کے مرنے کا نہایت رنج ہوا۔ میری والدہ نے مجھے سمجھایا کہ وہ خدا کے پاس گئی ہے، بہت اچھے مکان میں رہتی ہے، بہت سے نوکر چاکر اس کی خدمت کرتے ہیں اور اس کی بہت آرام سے گزرتی ہے، تم کچھ رنج مت کرو۔ مجھ کو ان کے کہنے سے پورا یقین تھا کہ فی الواقع ایسا ہی ہے۔ مدت تک ہر جمعرات کو اس کی فاتحہ ہوا کرتی تھی اور کسی محتاج کو کھانا دیا جاتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ سب کھانا مان بی بی کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اس نے مرتے وقت کہا تھا کہ میرا تمام زیور سید کا ہے، مگر میری والدہ اُس کو خیرات میں دینا چاہتی تھیں۔ ایک دن انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اگر کو تو یہ گہنا مان بی بی کے پاس بھیج دوں؟ میں نے کہا ہاں بھیج دو۔ والدہ نے وہ سب گہنا مختلف طرح سے خیرات میں دے دیا۔

بچپن میں سرسید پر نہ تو ایسی قید تھی کہ کھیلنے کودنے کی بالکل پابندی ہو اور نہ ایسی آزادی تھی کہ جہاں چاہیں اور جن کے ساتھ چاہیں، کھیلتے کودتے پھریں۔ ان کی بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ خود ان کے ماموں، ان کی خالہ اور دیگر نزدیکی رشتہ داروں کے چودہ پندرہ لڑکے، ان کے ہم عمر تھے جو آپس میں کھیلنے کودنے کے لیے کافی تھے اس لیے اُن کو نوکروں اور اجلانوں کے بچوں اور اشرفوں کے آوارہ لڑکوں سے ملنے جلنے اور اُن کے ساتھ کھیلنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ اُن کے بزرگوں نے یہ اجازت دے رکھی تھی کہ جس کھیل کو تمھارا جی چاہے شوق سے کھیلو مگر کسی کھیل کو چھپا کر مت کھیلو۔ اس لیے سب لڑکے جو کھیل کھیلتے تھے، اپنے بڑوں کے سامنے کھیلتے تھے۔ اُن کے کھیلوں میں کوئی بات ایسی نہ ہوتی تھی جو اپنے بزرگوں کے سامنے نہ کر سکیں۔ خواجہ فرید کی حویلی جس میں وہ اور ان کے ہم عمر لڑکے رہتے تھے، اُس کا چوک اور اُس کی چھتیں ہر قسم کی بھاگ دوڑ کے کھیلوں کے لیے کافی تھیں۔ ابتدا میں وہ اکثر گیند بلا، کبڈی، گیڑیاں، آنکھ مچولی، جیل چلو وغیرہ کھیلتے تھے۔ اگرچہ گیڑیاں کھیلنے کو اشرف معیوب جانتے تھے، مگر ان کے بزرگوں نے اجازت دے رکھی تھی کہ آپس میں سب بھائی مل کر گیڑیاں بھی کھیلو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

ان کا بیان تھا کہ ”باوجود اس قدر آزادی کے بچپن میں مجھے تنہا باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ جب میری والدہ نے اپنے رہنے کی جُدا حویلی بنائی اور وہاں آ رہیں تو باوجودیکہ اس حویلی میں اور نانا صاحب کی حویلی میں صرف ایک سڑک دو مہان تھی، جب کبھی میں ان کی حویلی میں جاتا تو ایک آدمی میرے ساتھ جاتا۔ اسی لیے بچپن میں مجھے گھر سے باہر جانے اور عام صحبتوں میں بیٹھنے یا آوارہ پھرنے کا بالکل اتفاق نہیں ہوا۔“

سرسید اپنے کھیل کود کے زمانے میں بہت مُستَعِد، چالاک اور کسی قدر شوخ بھی تھے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اکثر شوخی کیا کرتے۔ وہ کہتے تھے کہ ایک بار میں شطرنج کھیلتے میں اپنے ایک رشتہ دار بھائی سے لڑ پڑا۔ میرے گمے سے اُس کے ہاتھ کی انگلی اتر گئی اور ٹی دن بعد اچھی ہوئی۔ ہمیشہ یوں ہی لڑائی بھڑائی مار کٹائی ہوتی تھی، مگر آخر کو سب ایک ہو جاتے تھے۔

سرسید لکھتے ہیں کہ میرے نانا صبح کا کھانا اندر زنانے میں کھاتے تھے۔ ایک چوڑا چکلا دسترخوان بچھتا تھا، بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں اور بیٹوں کی بیویاں سب اُن کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ بچوں کے آگے خالی رکابیاں ہوتی تھیں۔ نانا صاحب ہر ایک سے پوچھتے تھے کہ کون سی چیز کھاؤ گے۔ جو کچھ وہ بتاتا وہی چیز چچے میں لے کر اپنے ہاتھ سے اُس کی رکابی میں ڈال دیتے۔ تمام بچے بہت ادب





اور صفائی سے اُن کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ سب کو خیال رہتا تھا کہ کوئی چیز گرنے نہ پائے، ہاتھ کھانے میں زیادہ نہ بھرے اور نوالا چبانے کی آواز منہ سے نہ نکلے۔ رات کا کھانا وہ باہر دیوان خانے میں کھاتے تھے۔ میری والدہ اور میری چھوٹی خالہ کھانا کھانے آتی تھیں۔ ہم سب لڑکے اُن کے سامنے بیٹھتے تھے۔ ہم کو بڑی مشکل پڑتی تھی۔ کسی کے پاؤں کا دھبہ سفید چاندنی پر لگ جاتا تھا تو نہایت ناراض ہوتے تھے۔ روشنائی وغیرہ کا دھبہ کسی کے کپڑے پر ہوتا تھا اُس سے بھی ناخوش ہوتے تھے۔ شام کو چراغ جلنے کے بعد، ان کے پوتے اور نواسے جو مکتب میں پڑھتے تھے اور جن میں سے ایک میں بھی تھا، ان کو سبق سناتے جاتے تھے۔ جس کا سبق اچھا یاد ہوتا اُس کو کسی قسم کی عمدہ مٹھائی ملتی اور جس کو یاد نہ ہوتا اس کو کچھ نہ دیتے اور گھر کر دیتے۔

گرمی اور برسات کے موسم میں اب بھی دلی کے اکثر باشندے سہ پہر کو جمنہ پر جا کر پانی کی سیر دیکھتے ہیں اور تیرنے والے تیرتے ہیں۔ مگر پچاس برس پہلے وہاں اشرف تیرنے والوں کے بہت دل چسپ جلسے ہوتے تھے۔ سرسید کہتے تھے کہ میں نے اور بڑے بھائی نے اپنے والد سے تیرنا سیکھا تھا۔ ایک زمانہ تو وہ تھا کہ ایک طرف دلی کے مشہور تیراک مولوی علیم اللہ کا غول ہوتا تھا، جن میں مرزا مغل اور مرزا مغل بہت سربرآوردہ اور نامی تھے اور دوسری طرف ہمارے والد کے ساتھ سوسو اسوشا گردوں کا گروہ ہوتا تھا۔ یہ سب ایک ساتھ دریا میں کودتے تھے اور مجنوں کے ٹیلے سے شیخ محمد کی بائیں تک یہ سارا گروہ تیرتا جاتا تھا۔ پھر جب ہم دونوں بھائی تیرنا سیکھتے تھے اُس زمانے میں بھی تیس چالیس آدمی والد کے ساتھ ہوتے تھے۔ انھی دنوں میں نواب اکبر خاں اور چند اور رئیس زادے بھی تیرنا سیکھتے تھے۔ زینت المساجد کے پاس نواب احمد بخش خاں کے باغ کے نیچے جمنہ بہتی تھی، وہاں سے تیرنا شروع ہوتا تھا۔ مغرب کے وقت سب تیراک زینت المساجد میں جمع ہو جاتے تھے اور مغرب کی نماز جماعت سے پڑھ کر اپنے گھر چلے آتے تھے۔ میں ان جلسوں میں اکثر شریک ہوتا تھا۔

تیراندازی کی صحتیں بھی سرسید کے ماموں نواب زین العابدین خاں کے مکان پر ہوتی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ مجھے اپنے ماموں اور والد کے شوق کا وہ زمانہ جب کہ نہایت دھوم دھام سے تیراندازی ہوتی تھی یاد نہیں، مگر جب دوبارہ تیراندازی کا چرچا ہوا، وہ بخوبی یاد ہے۔ اُس زمانے میں دریا کا جانا موقوف ہو گیا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد تیراندازی شروع ہوتی تھی۔ نواب فتح اللہ بیگ خاں، نواب سید عظمت اللہ خاں، نواب ابراہیم علی خاں اور چند شاہ زادے اور رئیس اور شوقین اس جلسہ میں شریک ہوتے تھے۔ نواب شمس الدین خاں رئیس فیروز پور جھر کہ جب دلی میں ہوتے تھے تو وہ بھی آتے تھے۔ میں نے بھی اُسی زمانے میں تیراندازی سیکھی اور مجھ کو خاصی مشق ہو گئی تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک دفعہ میرا نشانہ، جو تو دے میں نہایت صفائی اور خوبی سے جا کر بیٹھا تو والد بہت خوش ہوئے اور کہا ”مچھلی کے جائے کو کون تیرنا سکھائے“ یہ جلسہ برسوں تک رہا، پھر موقوف ہو گیا۔

اہل اللہ اور مقدس لوگوں کی عظمت کا خیال بچپن سے سرسید کے دل میں بٹھایا گیا تھا۔ وہ اپنے والد کے ساتھ اکثر شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں جاتے تھے اور شاہ صاحب سے ان کی عقیدت کا رنگ اپنی آنکھ سے دیکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مرزا صاحب کے عرس میں شاہ صاحب ایک روپیا ان کے مزار پر چڑھایا کرتے تھے اور اس روپیا کے لینے کا حق میرے والد کے سوا اور کسی کو نہ تھا۔ ایک دفعہ عرس کی تاریخ سے کچھ پہلے ایک مرید نے شاہ صاحب سے اجازت لے لی کہ اب کی بار نذرکار روپیا مجھے عنایت ہو۔ میرے والد کو بھی خبر ہو گئی۔





جب شاہ صاحب نے رویا چڑھانے کا ارادہ کیا تو والد نے عرض کی کہ حضرت! میرے اور میری اولاد کے جیتے جی آپ نذر کارویا لینے کی اوروں کو اجازت دیتے ہیں! شاہ صاحب نے فرمایا نہیں نہیں تمہارے سوا کوئی نہیں لے سکتا۔ میں اس وقت صغیر بن تھا۔ جب شاہ صاحب نے رویا چڑھایا، والد نے مجھ سے کہا جاؤ رویا اٹھا لو، میں نے آگے بڑھ کر رویا اٹھالیا۔

دلی سے سات کوس مغل پور ایک جاٹوں کا گاؤں ہے۔ وہاں سرسید کے والد کی کچھ ملک بطور معافی کے تھی۔ اگر کبھی فصل کے موقع پر اُن کے والد مغل پور جاتے تو ان کو بھی اکثر اپنے ساتھ لے جاتے اور ایک ایک ہفتہ گاؤں میں رہتے۔ سرسید کہتے تھے کہ اس عمر میں گاؤں میں جا کر رہنا، جنگل میں پھرنا، عمدہ دودھ اور دہی اور تازہ تازہ گھی اور جانیوں کے ہاتھ کی پکی ہوئی باجرے یا مکئی کی روٹیاں کھانا نہایت ہی مزہ دیتا تھا۔

سرسید کے والد کو اکبر شاہ کے زمانے میں ہر سال تاریخ جلوس کے جشن پر پانچ پارچہ اور تین رقوم جواہر کا خلعت عطا ہوتا تھا مگر اخیر میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، انھوں نے دربار کا جانا کم کر دیا تھا اور اپنا خلعت سرسید کو باوجودیکہ اُن کی عمر کم تھی، دلوانا شروع کر دیا تھا۔

سرسید کہتے تھے کہ ایک بار خلعت ملنے کی تاریخ پر ایسا اتفاق ہوا کہ والد بہت سویرے اٹھ کر قلعہ چلے گئے اور میں بہت دن چڑھے اٹھا۔ ہر چند بہت جلد گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں پہنچا مگر پھر بھی دیر ہو گئی۔ جب لال پردہ کے قریب پہنچا تو قاعدہ کے موافق اول دربار میں جا کر آداب بجالانے کا وقت نہیں رہا تھا۔ داروغہ نے کہا کہ بس اب خلعت پہن کر ایک ہی دفعہ دربار میں جانا۔ جب خلعت پہن کر میں نے دربار میں جانا چاہا تو دربار برخاست ہو چکا تھا اور بادشاہ تخت پر سے اٹھ کر ہوادار پر سوار ہو چکے تھے۔ بادشاہ نے مجھے دیکھ کر والد سے جو اس وقت ہوادار کے پاس ہی تھے، پوچھا کہ ”تمہارا بیٹا ہے؟“ انھوں نے کہا ”حضور کا خانہ زاد۔“ بادشاہ چپکے ہو رہے۔ لوگوں نے جانا کہ بس اب محل میں چلے جائیں گے، مگر جب تسبیح خانہ میں پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے۔ تسبیح خانہ میں بھی ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جہاں کبھی کبھی دربار کیا کرتے تھے۔ اُس چبوترے پر بیٹھ گئے اور جواہر خانے کے داروغہ کو کشتی جواہر حاضر کرنے کا حکم دیا۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ بادشاہ نے مجھے اپنے سامنے بلایا اور کمال عنایت سے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ دیر کیوں کی؟ حاضرین نے کہا، عرض کرو کہ تقصیر ہوئی۔ مگر میں چپکا کھڑا رہا۔ جب حضور نے دوبارہ پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ سو گیا تھا۔ بادشاہ مسکرائے اور فرمایا بہت سویرے اٹھا کرو اور ہاتھ چھوڑ دیے۔ لوگوں نے کہا آداب بجالاؤ، میں آداب بجالایا۔ بادشاہ نے جواہرات کی معمولی رقیں اپنے ہاتھ سے پہنائیں، میں نے نذر دی اور بادشاہ اُٹھ کر خاص ڈیوڑھی سے محل میں چلے گئے۔ تمام درباری میرے والد کو بادشاہ کی اس عنایت پر مبارک سلامت کہنے لگے۔ سرسید کہتے تھے کہ اس زمانہ میں میری عمر آٹھ نو برس کی ہوگی۔

(حیات جاوید)



مشق

سبق ”سرسید کا بچپن“ کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

- i سرسید احمد خاں کی ولادت ان کے بھائی (سید محمد خاں) کی ولادت کے کتنے عرصے بعد ہوئی؟
- ii حکمائے محنت کے بارے میں کیا رائے دی ہے؟
- iii سرسید احمد خاں کے منہ بولے دادا کون تھے؟
- iv مان بی بی کون تھیں اور ان کا سرسید احمد خاں کے بچپن میں کیا کردار تھا؟
- v اپنے بچپن اور لڑکپن میں سرسید احمد خاں کس قسم کے کھیل کھیلتے رہتے تھے؟
- vi سرسید احمد خاں کو بادشاہ کے دربار سے کیا انعام ملا؟

درست جوابات کی نشان دہی کریں:

2

- i سرسید احمد خاں کی بہن کا نام تھا: (الف) آصفۃ النساء بیگم (ب) صفیۃ النساء بیگم (ج) زینت النساء بیگم (د) گل آرا بیگم
- ii سرسید کا نام رکھا تھا: (الف) شاہ ولی اللہ نے (ب) شاہ عبدالعزیز نے (ج) شاہ غلام علی نے (د) شاہ متقی نے
- iii سرسید احمد خاں کے نانا جان صبح کا کھانا کھاتے تھے: (الف) کمرے میں (ب) دیوان خانے میں (ج) زنانے میں (د) مردانے میں
- iv سرسید احمد خاں نے تیراکی کا فن سیکھا، اپنے: (الف) والد صاحب سے (ب) بڑے بھائی سے (ج) دوستوں سے (د) عم زاد سے
- v مرزا صاحب کے عرس میں شاہ صاحب ان کے مزار پر نذرانہ چڑھاتے تھے: (الف) ایک روپيا (ب) دو روپيا (ج) پانچ روپيا (د) سات روپيا
- vi ”ہوادار“ نام ہے ایک: (الف) دیوان خانے کا (ب) زنان خانے کا (ج) تیز گھوڑے کا (د) پاکی کی قسم کی سواری کا
- vii سرسید احمد خاں کے والد کو اکبر شاہ کے زمانے میں جشن کے موقع پر ملے: (الف) پانچ پارچہ جات (ب) تین پارچہ جات (ج) تین رقوم جواہر کا خلعت (د) پانچ رقوم جواہر کا خلعت

سبق ”سرسید کا بچپن“ کے اہم نکات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے الفاظ میں خلاصہ تحریر کریں۔

3



درج ذیل الفاظ کی مدد سے پیرا گراف مکمل کریں:

4

بتدریج، قوائے ذہنیہ، دماغی ریاضت، مفہوم، معمولی، فزیکل قابلیت، طباع، ذکی، صریح امتیاز، بے تکلف، ہجولیوں
سرسید کے بیان سے۔۔۔۔۔ ہوتا تھا کہ ان کے بچپن میں جسمانی صحت اور۔۔۔۔۔ کے سوا کوئی ایسی خصوصیت، جس سے
ان کے بچپن کو۔۔۔۔۔ لڑکوں کے بچپن پر۔۔۔۔۔ فوقیت دی جاسکے، نہیں پائی جاتی تھی۔ یعنی جیسے کہ بعض بچے ابتدا میں
نہایت۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اور اپنے۔۔۔۔۔ میں سب سے زیادہ تیز اور ہوشیار ہوتے ہیں، سرسید میں کوئی اس قسم کا۔۔۔۔۔
نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے۔۔۔۔۔ کو محض۔۔۔۔۔ اور لگا تار غور و فکر سے۔۔۔۔۔ ترقی دی تھی۔

مولانا الطاف حسین حالی کی سوانح نگاری پر شبلی نعمانی نے کیا رائے دی تھی؟ تائید یا تردید میں دلائل فراہم کریں۔

5

سبق کے متن میں سے ایسے الفاظ، تراکیب، محاورات اور اصطلاحات کی فہرست تیار کریں جو نئی زمانہ کم استعمال ہوتے ہیں
یا سرے سے متروک ہو چکے ہیں۔

6

سرسید احمد خاں کے بچپن کے حالات کا آپ نے مطالعہ کیا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ سرسید کے اس ابتدائی دور سے ان کے مستقبل کی
مضبوط علمی، ادبی، سیاسی اور مذہبی شخصیت کا پتا ملتا ہے یا نہیں؟

7

”مچھلی کے جائے کون تیرنا سکھائے۔“ اس ضرب المثل کی روشنی میں سرسید احمد خاں کو پیش آنے والے واقعے کو بیان کریں۔

8

مندرجہ ذیل پیرا گراف کی تشریح کریں اور خط کشیدہ الفاظ کے معانی بھی لکھیں۔

9

تیر اندازی کی صحبتیں بھی سرسید کے ماموں نواب زین العابدین خاں کے مکان پر ہوتی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ مجھے اپنے ماموں
اور والد کے شوق کا وہ زمانہ جب کہ نہایت دھوم دھام سے تیر اندازی ہوتی تھی یاد نہیں، مگر جب دوبارہ تیر اندازی کا چرچا ہوا وہ
بخوبی یاد ہے۔ اس زمانے میں دریا کا جانا موقوف ہو گیا تھا۔

درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کریں:

10

عقیدت	مضانقہ	فی الواقع	تباہل اختیار کرنا	جسمانی صحت
عنایت	متعدد	خانہ زاد	تقصیر	صغیر سن

درج ذیل پیرا گراف کا بغور مطالعہ کریں اور دیے گئے سوالات کے جوابات تحریر کریں:

11

ان دنوں موسمی اور ماحولیاتی تبدیلیاں دنیا بھر کے لیے ایک بڑا چیلنج بن چکی ہیں۔ درجہ حرارت میں اضافہ، جنگلات کی بے تحاشا
کٹائی، آلودگی اور گلیشیرز کے پگھلنے کی وجہ سے فطرت کا توازن بگڑنے لگا ہے۔ ان تبدیلیوں کے نتیجے میں سیلاب، خشک سالی اور
موسمیاتی شدت میں اضافہ ہو رہا ہے جو انسانی زندگی، حیاتیاتی تنوع اور معیشت کو متاثر کر رہا ہے۔ اگر ہم نے فوری طور پر اقدامات نہ کیے
تو آنے والی نسلیں شدید مسائل کا شکار ہو سکتی ہیں۔



- ۱۔ موسمی تبدیلیوں کی بنیادی وجوہات کیا ہیں؟
- ۲۔ موسمیاتی اور ماحولیاتی تبدیلیوں کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟
- ۳۔ ہمیں ماحولیاتی تحفظ کے لیے کیا کرنا چاہیے؟
- ۴۔ عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

علامات وقف

علامات، علامت کی جمع ہے، جب کہ اوقاف، وقف کی جمع ہے۔ وقف کی علامات کا جاننا اور ان کا درست استعمال کرنا بہت ضروری ہے۔ وقف کی علامات عبارت میں موجود مختلف اہموں، ضمیروں، باتوں اور جملوں کو الگ کرتی ہیں۔ اگر یہ علامات نہ ہوں تو عبارت کو پڑھنا اور سمجھنا دشوار ہو جائے۔

انگریزی نام	شکل	علامات کا اردو نام
Comma	,	سکتہ
Semi-colon	;	وقفہ
Colon	:	رابطہ
Sign of Interogatio	?	استفہامیہ
Colon and Dash	:-	تفصیلیہ
Full Stop	.	ختمہ
Sign of Exclamatio	!	ندائے فحاشیہ
Inverted Commas	“ ”	واوین
Brackets	()	قوسین
Oblique	/	ترچھا خط / خط فاصل

یہ علامت، سب سے کم وقفے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

یہ علامت، جملے میں سکتے سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

یہ علامت، جملے میں وقفے سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کسی کے قول، فرمان، حوالے سے پہلے اور جملے

میں ربط پیدا کرنے کے لیے رابطے کی علامت استعمال ہوتی ہے۔

یہ علامت، بیانیہ جملے کے اختتام پر لگاتے ہیں۔

یہ علامت کسی بات کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے استعمال ہوتی ہے۔

یہ علامت، استفہامیہ جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے۔

سکتہ

وقفہ

رابطہ

ختمہ

تفصیلیہ

استفہامیہ

ندائے رنجانیہ

یہ علامت، تحریر و تقریر میں غصہ، حقارت، حیرت، تمنا، ادب، خوف، تعریف و تحسین، خوشی وغیرہ، جیسے جذبات کو ظاہر کرنے پر لگائی جاتی ہے۔

واوین

یہ علامت، کسی اقتباس کا اندراج کرتے وقت اس قول یا اقتباس کے آغاز اور آخر میں لگائی جاتی ہے۔

قوسین

یہ علامت، جملہ معترضہ کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

ترچھا خط

یہ علامت ”یا“ کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ یہ علامت دو لفظوں کے درمیان آتی ہے، مثلاً: عدالتی ر قانونی وغیرہ۔

روزمرہ، محاورہ اور ضرب المثل

روزمرہ

روزمرہ اس بول چال کا نام ہے جو، خاص اہل زبان استعمال کرتے ہیں۔ روزمرہ میں الفاظ کے استعمال کا ایک خاص انداز ہوتا ہے، مثلاً: انیس بیس کا فرق، دو چار ہاتھ وغیرہ۔

محاورہ

دیویدو سے زیادہ الفاظ کا ایسا مجموعہ جس سے حقیقی کے بجائے مجازی معنی مراد لیے جائیں، اسے محاورہ کہتے ہیں، مثلاً: آبرو خاک میں ملانا، آسمان سے باتیں کرنا وغیرہ۔

ضرب المثل

ضرب المثل عربی زبان کی ترکیب ہے۔ اردو میں اس کے لیے ”کہاوت“ کی اصطلاح مستعمل ہے۔ ضرب المثل سے مراد روزمرہ زندگی کے بارے میں ایسا جملہ ہے جو کسی خاص رویے، حقیقت یا اصول کو بیان کرے، مثلاً: اُلٹے بانس بریلی کو، آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل، اوچی دکان پھیکا پکوان وغیرہ۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- ایک طالب علم سرسید احمد خاں کا فرضی کردار ادا کرے جب کہ دوسرا طالب علم اس سے انٹرویو کی شکل میں سوالات کرے۔
- طلبہ گروپ بنائیں اور ہر گروپ سرسید احمد خاں کے بچپن کے دور کے حوالے سے متاثر کن واقعات بیان کریں۔
- مولانا الطاف حسین حالی کی تحریر کردہ سوانح عمری ”حیات جاوید“ لائبریری سے جاری کروائیں اور اس کا جست جستہ مطالعہ کلاس میں پیش کریں۔
- سبق ”سرسید کا بچپن“ میں سرسید احمد خاں کے عہد کی دلی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس دور کے شہروں، قصبوں، کھیل تماشوں، شغل اشغال، شخصیات، زبان و بیان، دربار، ملبوسات، پکوان وغیرہ جیسی تہذیبی و تمدنی روایات کے بارے میں تفصیل سے پڑھیں اور کمرہ جماعت میں گفتگو کریں۔

اشارات تدریس

- سرسید احمد خاں کی شخصیت اور خدمات کے حوالے سے طلبہ کو بتائیں اور ان سے گفت گو بھی کریں۔
- طلبہ کو بتائیں کہ بچپن کی محنت اور رہ نمائی مستقبل پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔
- طلبہ سے کہیں کہ وہ اپنے دور بچپن کا موازنہ سرسید احمد خاں کے دور سے کریں۔



اشفاق احمد

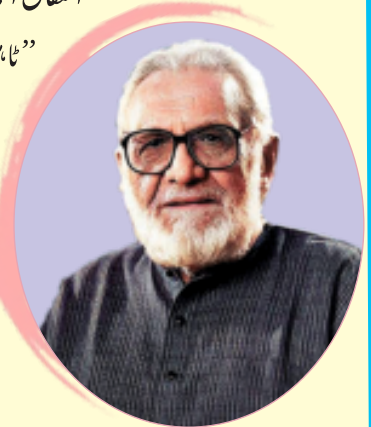
(۱۹۲۵ء-۲۰۰۳ء)

پاکستان کے مشہور ڈراما نگار، شاعر، افسانہ نگار، صدا کار اور دانش ور، اشفاق احمد ضلع فیروز پور (ہندوستان) کے ایک قصبے مکتسر میں ڈاکٹر محمد خاں کے گھر پیدا ہوئے۔ اپنے آبائی قصبے سے ۱۹۴۳ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد، گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا اور ایم اے اردو کا امتحان پاس کیا۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد فیروز پور سے لاہور آگئے اور دیال سنگھ کالج میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ پھر دو سال تک روم یونیورسٹی میں اردو کے استاد رہے۔ وہیں اطالوی زبان میں ڈپلوما حاصل کیا۔ فرانسیسی زبان کا ڈپلوما گرونوبل یونیورسٹی (Grenoble University) فرانس سے حاصل کیا۔ نیویارک سے ریڈیائی نشریات کی تربیت لی۔ وطن واپسی پر اپنا اشاعتی ادارہ ”داستان سرائے“ قائم کیا اور رسالہ ”داستان گو“ جاری کیا۔ ریڈیو نشریات میں ”تلقین شاہ“ اشفاق احمد کا سلسلہ وار فیچر عوام میں بے حد مقبول ہوا۔

پاکستان ٹیلی وژن کے لیے متعدد ڈرامے لکھے لیکن ”ایک محبت سوا افسانے“ کی سیریز کے تحت دکھائے گئے ڈرامے زیادہ مشہور ہوئے۔ ان کا افسانہ ”گڈ ریا“ اردو ادب میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ ڈراموں میں ”من چلے کا سودا“ نے بھی خاصی شہرت پائی۔ ان کی علمی، ادبی خدمات کے عوض ۱۹۷۹ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی عطا کیا گیا۔

اشفاق احمد کی مشہور تصانیف میں ”ایک محبت سوا افسانے“، ”کھٹیا وٹیا“، ”توتا کہانی“، ”ناہلی دے تھلے“، ”اُچے بُرج لاہور دے“ اور ”کارواں سرائے“ وغیرہ شامل ہیں۔

اشفاق احمد کا اسلوب بیان نہایت سادہ، پُر اثر اور دل میں اتر جانے والا ہے۔ وہ عام فہم زبان میں گہرے فلسفیانہ اور روحانی نکات بیان کرتے ہیں جو قاری یا سامع کے ذہن پر دیر پا اثرات چھوڑتے ہیں۔ ان کے جملے مختصر مگر معنی خیز ہوتے ہیں اور زندگی کی پیچیدگیوں کو نہایت سہل اور فطری انداز میں واضح کرتے ہیں۔ اشفاق احمد کی تحریروں میں تصوف، اخلاقیات اور انسانی رویوں کی عمدہ عکاسی ملتی ہے۔





محسن محلہ

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو افسانہ ”محسن محلہ“ کے بنیادی موضوع سے روشناس کرانا
- تنقیدی سوچ کو فروغ دینا تا کہ طلبہ سماجی مسائل پر گہرائی سے سوچ سکیں
- افسانے کے اسلوب، کردار نگاری اور بیانیہ تکنیک کے تجرباتی پہلو سے آگاہ کرنا
- سماجی ذمے داری اور احساسِ آدمیت کا جذبہ بیدار کرنا
- طلبہ کو تذکرہ و تائینٹ اور اسم، فعل اور حرف کی پہچان کروانا

کسی کوٹھیک سے معلوم نہیں کہ ماسٹر الیاس کب اس محلہ میں آیا تھا اور کب اُس نے یہ کوٹھڑی کرائے پر لی تھی لیکن اس بات کا ہر ایک کو علم تھا کہ ماسٹر الیاس مہاجر ہے اور اس کا تعلق انبالے کے کسی علاقے سے ہے، کیوں کہ وہ بولی ہی ایسی بولتا ہے جو انبالے، پٹیلے میں بولی جاتی ہے۔ ماسٹر الیاس کرائے کی کوٹھڑی میں رہتا تھا اور اُس کے پاس محلے کے لڑکے گنتی سیکھنے، پہاڑے کہنے اور تختی لکھنے کے لیے آ جاتے تھے۔ اُس کے پاس دوڑا کا بیڑ اور ایک اصیل مرغ تھا۔ بیڑ تو پتھروں میں بند رہتے تھے لیکن اصیل مرغ، اُس کی کوٹھڑی کے دروازے سے ذرا دور کھڑا رہتا تھا۔ ماسٹر الیاس نے مرغ کی ایک ٹانگ میں پینٹل کا چھلّا ڈال کر اس سے مضبوط ڈور باندھ رکھی تھی اور اس ڈور کا دوسرا سرا اپنی کوٹھڑی کی دلیز میں میخ ٹھوک کر اس سے باندھ رکھا تھا۔ محسن محلہ کے سبھی لوگ ماسٹر الیاس کی عزت کرتے تھے اور اس کو اسلام علیکم کہہ کر اس کے دروازے کے آگے سے گزرتے تھے۔ ماسٹر جی کچھ اور کام بھی کرتے تھے لیکن کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ شاید وہ سبزی منڈی میں منشی گیری کرتے تھے یا کسی دُور کے محلے میں پھیری لگاتے تھے یا کسی کارخانے میں رنگ و روغن کی دہاڑی کرتے تھے، کوئی اس کی بابت اچھی طرح سے نہیں جانتا تھا لیکن اتنا سب کو معلوم تھا کہ ماسٹر الیاس کی گزر بسر ذرا تنگیِ ترشی سے ہی ہوتی ہے۔

در اصل ماسٹر صاحب سیدھے آدمی تھے اور اُن کو زمانے کے ساتھ چلنے کا ڈھنگ نہیں آتا تھا۔ کچھ تو ان کی شکل ہی ایسی تھی کہ اسے دیکھ کر لوگوں کے دل میں محبت یا ہمدردی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا تھا اور کچھ اُن کی گفت گو اس انداز کی ہوتی تھی کہ کسی کو اس پر یقین نہیں آتا تھا۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے، ہیرا پھیری نہیں کرتے تھے، مبالغے سے کام نہیں لیتے تھے، شیخی نہیں بگھارتے تھے، کسی کو خوفزدہ نہیں کرتے تھے، اسی وجہ سے کسی کو ان کی بات پر یقین نہیں آتا تھا۔ ان کی گفت گو میں، گرامر کی اور علمِ بیان کی بہت سے غلطیاں ہوتی تھیں اور سننے والا جھلّا کر ان کی صحبت چھوڑ دیتا تھا۔ وہ اتنے سیدھے اور اس قدر بے پیچ تھے کہ انسان ہی نہیں لگتے تھے۔ سارے محلے پر اور ساری سوسائٹی پر ایک بوجھ سا لگتے تھے اور چوں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ رسم و راہ پیدا کرنا، کوئی بھی پسند نہیں کرتا، اس لیے کوئی بھی ان کا دوست نہیں تھا۔

سردیوں کی ایک شام، مالک مکان نے ماسٹر الیاس کو بڑے سخت الفاظ میں ڈانٹا اور دھمکی دی کہ اگر اُس نے تین دن کے اندر اندر پچھلے





چھ ماہ کا کرایہ ایک ساتھ ادا نہ کیا تو وہ اس کا سامان نکال کر باہر پھینک دے گا۔ ماسٹر جی کی خوف کے مارے گھٹکی بندھ گئی کیوں کہ ان کے پاس ایک سواسی روپے کی مُشت موجود نہیں تھے، صرف چالیس روپے تھے۔ جن کے ساتھ دس کا ایک نوٹ اور پروکڑا انھوں نے پچاس بنالیے تھے۔ پہلے تو مالک مکان پچیس تیس، چالیس پچاس لے کر آگے کی تارخ دے دیا کرتا تھا لیکن اس مرتبہ وہ تڑنگ ہو گیا اور اس نے دھاگے میں پروئے ہوئے پچاس روپے اصل مرنے کے آگے پھینک کر کہا: ”جاوئے! میں نہیں لیتا۔ مجھے پورے ایک سواسی کر کے دے۔“

جب وہ یہ کہہ کر چلا گیا تو ماسٹر الیاس نے پچاس روپے فرش پر سے اٹھا کر اپنی واسکٹ کی جیب میں ڈال لیے، پھر وہ اپنی کوٹھڑی کے اندر جا کر چار پائی پر ڈکھی سے ہو کر بیٹھ گئے اور شدید غم کے باعث ان کی گھٹکی بندھ گئی اور یہ پہلا موقع تھا کہ روئے بغیر کسی شخص کی گھٹکی بندھی ہو! وعدے کے مطابق مالک مکان نے ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ ماسٹر صاحب کی چار پائی ٹرانسفارمر والے دو کھمبوں کے پیچھے لگا دی اور ان کا باقی سامان اس کے ارد گرد چُن دیا۔ اس نے کوٹھڑی کو نیا چینی تالا لگایا اور سکوتر پر سوار ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس کا گھر اس محلے سے کافی دُور تھا اور وہ اپنی کوٹھڑیوں کا کرایہ وصول کرنے ماہ بہ ماہ آیا کرتا تھا۔

ماسٹر صاحب نے ایک رات جوں توں کر کے ٹرانسفارمر کے نیچے گزاری اور اگلے دن، شیخ کریم نواز کی حویلی پہنچ کر اس سے دوسرو پے اُدھار کے طلب گار ہوئے۔ شیخ صاحب نے ماسٹر صاحب کو نیک دل، سادہ لوح اور مرنجاں مرنج شخص سمجھ کر ڈخا دیا کیوں کہ ایسے احمق لوگوں کو زیادہ رقم دینا اچھا نہیں ہوتا، پھر وہ اسماعیل بزاز کی دُکان پر گئے اور رقم میں کمی کر کے ڈیڑھ سو کا سوال ڈالا۔ اُس نے بھی معذرت کر لی۔ محلے کا کوئی نائی، حلوائی، قصابی، ڈاکٹر، وید، وکیل، ماسٹر صاحب نے نہیں چھوڑا لیکن ہر طرف سے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ ان لوگوں کو شدید مہنگائی نے گھیر رکھا تھا اور اُن کے پاس اُدھار دینے کو کچھ بھی باقی نہ تھا۔

جس دن ماسٹر الیاس نے ہو میو پیٹھک ڈاکٹر کو اپنی نبض دکھائی، اُس روز انھیں ٹرانسفارمر کے نیچے سوتے آٹھواں دن تھا۔ ڈاکٹر نے سٹیٹھو سکوپ لگا کر دیکھا اور کہا: ”ماسٹر صاحب! نمونیہ ہے۔ میں آپ کو پڑیا تو دے دیتا ہوں لیکن آپ کسی اور کو بھی دکھائیں۔“ ماسٹر صاحب نے کہا، ”بہت اچھا“ اور گرم دودھ پینے جبار حلوائی کی دُکان پر چلے گئے۔ انھوں نے دودھ پی کر اپنی نبض جبار کو دکھائی اور پھر گڑا کر اس سے دوسرو پے قرض کی درخواست کی۔ جبار ہنس پڑا۔ اس کو پتا تھا کہ ایسے شخص کو کوئی ایک روپیہ بھی اُدھار نہیں دے سکتا، یہ پورے دوسو مانگ رہا ہے۔ جب ایسی انہونی بات ہو تو ہر ایک کو ہنسی آ جاتی ہے اور اسی وجہ سے جبار ہنس پڑا تھا، ورنہ عام زندگی میں وہ بہت ہی کم ہنستا تھا۔ مسلسل تین دن تک ماسٹر الیاس اپنی رضائی سر پر اگلو کی طرح اوڑھ کر چار پائی پر بیٹھے رہے۔ جو کوئی وہاں سے گزرتا، السلام علیکم کہہ کر یہ ضرور پوچھتا، ”کیوں جی ماسٹر جی! دھوپ سینگی جا رہی ہے؟“ اور ماسٹر جی اندر سے بند آواز میں جواب دیتے، ”ہاں جی، تھوڑی سردی لگ رہی تھی۔“

چوتھے روز فجر کی اذان کے وقت جب ماسٹر صاحب فوت ہو گئے تو محسن محلہ کے ایک ایک شخص کو ان کی موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ ناشتے کا وقت ختم ہونے تک، ہر شخص خاموشی اور دُکھ کے کوئے میں لپٹ کر دھوپ میں جا کھڑا ہوا۔ ماسٹر جی کے بیروں کو کٹورہ بھر کنگنی اور ان کے مرنے کو اُلے کی آب خورہ بھر گولیاں ڈال دی گئیں۔ شیخ کریم نواز صاحب اپنی حویلی سے نکل کر ٹرانسفارمر کے نیچے آ بیٹھے۔ یہاں لوگوں





نے بڑی سی دری بچھا دی اور دو تین تازہ اخبار لا کر رکھ دیے۔ لوگ جمع ہونے شروع ہوئے۔ شیخ کریم نواز نے دوسو روپے نکال کر سعید اور بلال کو سکوتر پر بھیجا کہ جا کر قبر کا بندوبست کریں۔ تین سو روپے بابو جلال کو دیے کہ رحمت کو ساتھ لے جا کر لٹھے، کافور، عرقِ گلاب اور پھولوں کا بندوبست کریں۔ جبار حلوائی نے دودھ پتی کا ایک پتیلا کاڑھ کر صف پر پہنچا دیا۔ لوگوں نے ماسٹر صاحب کی رسمِ قل کے لیے پیسے جمع کرنے شروع کیے اور دیکھتے دیکھتے محسن محلہ کے لوگوں نے آٹھ سو گیارہ روپے جمع کر کے شیخ کریم نواز صاحب کے پاس محفوظ کرادیے۔

(سفرِ مینا)

مشق

سبق ”محسن محلہ“ کو ذہن میں رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

- i ماسٹر الیاس کون تھے اور ان کا تعلق کس شہر سے تھا؟
- ii ماسٹر الیاس کی باتوں پر لوگوں کو یقین کیوں نہیں آتا تھا؟
- iii مکان کا ماہانہ کرایہ کتنا تھا اور ماسٹر الیاس کے ذمے کتنے مہینوں کا کرایہ واجب الادا تھا؟
- iv ماسٹر الیاس رقم ادھار لینے کے لیے کس کس کے پاس گئے اور انھیں کیا جواب ملا؟
- v ماسٹر الیاس میں نمونیہ تشخیص کس نے کیا تھا؟
- vi ماسٹر الیاس کی وفات کے بعد محسن محلہ کے مکینوں نے کیا کیا؟

درست جوابات کی نشان دہی کریں:

2

ماسٹر الیاس رہتے تھے:

- (الف) کرائے کے مکان میں
- (ب) کرائے کی کوٹھڑی میں
- (ج) کرائے کے فلیٹ میں
- (د) کرائے کی حویلی میں

ماسٹر الیاس نے مرغے کی ایک ٹانگ میں چھلّا ڈال رکھا تھا:

- (الف) سونے کا
- (ب) لوہے کا
- (ج) تانبے کا
- (د) پیتل کا

مالک مکان نے کوٹھڑی کو لگا دیا:

- (الف) چینی تالا
- (ب) دیسی تالا
- (ج) ولایتی تالا
- (د) وزیر آبادی تالا





iv ماسٹر صاحب نے دوسو روپے ادھار طلب کیے:

- (الف) اسماعیل بزاز سے
(ب) ڈاکٹر سے
(ج) بابو جلال سے
(د) شیخ کریم نواز سے

v ماسٹر صاحب اپنی رضائی اوڑھ کر چار پائی پر بیٹھے رہے:

- (الف) دو دن
(ب) تین دن
(ج) چار دن
(د) پانچ دن

vi ماسٹر جی کے بیٹروں کا کٹہرہ بھردیا گیا:

- (الف) کنگنی سے
(ب) باجرہ سے
(ج) چاولوں سے
(د) آب خورہ بھر گولیوں سے

3 افسانہ ”محسن محلہ“ کا خلاصہ تحریر کریں۔

4 ”محسن محلہ“ کا مرکزی خیال لکھیں۔

5 اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں۔

مرنجاں مرنج	گھگھی	السلام علیکم	انبالہ
تڑنگ	عرق	بزاز	احمق

6 سبق کی روشنی میں صحیح/غلط بیانات کی نشان دہی کریں:

- i اس کے پاس ایک بیٹیر اور دو اہل مرغے تھے۔
ii شاید وہ سبزی منڈی میں مٹھی گیری کرتے تھے۔
iii وہ اتنے سیدھے اور اس قدر بے پیچ تھے کہ معصوم انسان لگتے تھے۔
iv ماسٹر صاحب نے ایک رات جوں توں کر کے ٹرانسفارمر کے سامنے گزاری۔
v وہ اسماعیل بزاز کی دکان پر گئے اور رقم میں کمی کر کے ڈیڑھ سو کا سوال ڈالا۔
vi ماسٹر الیاس نے یونانی حکیم کو اپنی نبض دکھائی۔

- صحیح ☐ غلط ☐
صحیح ☐ غلط ☐
صحیح ☐ غلط ☐
صحیح ☐ غلط ☐
صحیح ☐ غلط ☐
صحیح ☐ غلط ☐





درج ذیل الفاظ کے مترادف لکھیں:

7

آب خورہ

مرنجاں مرنج

یک مُشت

تنگی تُرشی

جذبہ

کو ٹھڑی

درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معانی لکھیں اور جملوں میں استعمال کریں:

8

الفاظ	معانی	جملوں میں استعمال
دلہیز		
گزر بسر کرنا		
مبالغہ سے کام لینا		
سادہ لوح		
مرنجاں مرنج		
گھگھی بندھنا		

اشفاق احمد کے افسانہ ”محسن محلہ“ کے عنوان میں طنز کا پہلو پوشیدہ ہے۔ اُن مقامات کی نشان دہی کریں کہ جہاں سماج ایک سیدھے سادے ”ماسٹر صاحب“ کو اپنی دنیا کا آدمی نہ سمجھتے ہوئے ہر مقام پر ٹال دیتا ہے۔

9

مندرجہ ذیل پیرا گراف کی تشریح کریں اور خط کشیدہ الفاظ کے معانی لکھیں:

10

دراصل ماسٹر صاحب سیدھے آدمی تھے اور ان کو زمانے کے ساتھ چلنے کا ذہنک نہیں آتا تھا۔ کچھ تو ان کی شکل ہی ایسی تھی کہ اسے دیکھ کر لوگوں کے دل میں محبت یا ہمدردی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا تھا اور کچھ ان کی گفت گو اس انداز کی ہوتی تھی کہ کسی کو ان پر یقین نہیں آتا تھا۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے، ہیرا پھیری نہیں کرتے تھے۔ مبالغہ سے کام نہیں لیتے تھے۔ شیخی نہیں بگھارتے تھے۔ کسی کو خوف زدہ نہیں کرتے تھے۔

تذکیر و تانیث کی دو قسمیں ہیں:

تذکیر و تانیث

جاندار اشیا کی تذکیر و تانیث، جو اصلی یا حقیقی تذکیر و تانیث بھی ہے۔

بے جان اشیا کی تذکیر و تانیث، اسے مجازی یا غیر حقیقی تذکیر و تانیث کہا جاتا ہے۔

حقیقی تذکیر و تانیث کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:



انسان کی تذکیر و تانیث اور حیوان کی تذکیر و تانیث، مثلاً:

شیر- شیرنی

مرد- عورت

لڑکا- لڑکی

باپ- ماں

اسم، فعل اور حرف کی پہچان

کلمے کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ اسم ۲۔ فعل ۳۔ حرف

اسم وہ کلمہ ہے جو، کسی شخص چیز یا جگہ کا نام ہو اور تنہا اپنے معنی دے لیکن اس میں زمانہ اور کام دونوں نہ پائے جائیں۔ جیسے: اسلم، پشاور، دریائے راوی، درہ خیبر وغیرہ۔

فعل وہ کلمہ ہے جو، اکیلا اپنے معنی دے۔ اس میں کسی کام کا کرنا، ہونا یا سہنا کسی زمانے (ماضی، حال یا مستقبل) میں پایا جائے۔ مثلاً: ”گیا تھا“، فعل ماضی، ”مروتا ہے“، فعل حال اور ”ہنے گا“، فعل مستقبل ہے۔

حرف وہ کلمہ ہے جو، اکیلا کچھ معنی نہ دے، بلکہ دوسرے لفظوں سے مل کر معنی دے، جیسے: سے، میں، کا، پر، کو، تک وغیرہ، مثلاً:

- ۱۔ یہ گھوڑا شیر خان کا ہے۔
- ۲۔ میں نے یہ قلم بازار سے خریدا ہے۔
- ۳۔ بلی چھت پر چڑھ گئی۔
- ۴۔ باغ میں پھول کھلے ہیں۔

درج ذیل جملوں کو غور سے پڑھیں اور ان میں اسم، فعل اور حرف کی نشان دہی کریں:

- ۱۔ بچے کھیل رہے ہیں۔
- ۲۔ وہ علی کے ساتھ گیا۔
- ۳۔ درخت ہرے بھرے ہیں۔
- ۴۔ پاکستان ایک خوب صورت ملک ہے۔
- ۵۔ پرندہ اڑ گیا۔
- ۶۔ وہ کھانا پکا رہی ہے۔
- ۷۔ ہم اور تم دوست ہیں۔
- ۸۔ میں نے خط لکھا۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- افسانہ ”محسن محلہ“ کی ڈرامائی تشکیل کریں۔
- افسانہ ”محسن محلہ“ کا بنیادی مقصد سماج کے اجتماعی ضمیر کو جھوڑنا ہے، اس پر گفت گو کریں۔
- افسانہ ”محسن محلہ“ پر احمد ندیم قاسمی کے اس شعر کی روشنی میں گفت گو کریں:

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

اشارات تدریس

- طلبہ کو افسانے کے مرکزی اور ذیلی کرداروں کے بارے میں بتائیں۔
- ہمدردی، ایثار اور فلاح و بہبود جیسی اقدار کا رشتہ عملی زندگی سے جوڑیں۔
- افسانہ ”محسن محلہ“ کی ڈرامائی تشکیل میں طلبہ کی مدد اور رہنمائی کریں۔



منشی پریم چند

(۱۸۸۰ء - ۱۹۳۶ء)

پریم چند کا اصل نام دھنت رائے ہے۔ ضلع بنارس کے ایک گاؤں ملبی میں پیدا ہوئے۔ والد منشی عجائب لال ڈاک خانے میں ملازم تھے۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد ایک سکول میں مدرس ہو گئے۔ ۱۹۰۰ء میں گورنمنٹ مڈل سکول سے سرکاری ملازمت کا آغاز کیا۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۹۱۹ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے کر لیا۔ ۱۹۲۱ء میں ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور مکمل طور پر علمی و ادبی کاموں میں مشغول ہو گئے۔ ۱۹۳۶ء میں ”نمّین ترقی پسند“ مصنفین کے پہلے اجلاس کی صدارت کی اور اسی سال بنارس میں وفات پائی۔

پریم چند نے اپنی تحریروں میں ہندوستان کے دیہات میں بسنے والے مزدوروں اور کسانوں کی زندگی اور ان کے مسائل کا ملبی کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ اُن کے افسانوں میں نیکی تمام تر مشکلات کے باوجود بدی کے مقابلے میں غالب رہتی ہے۔ ان کی زبان سادہ ہے۔ انھوں نے مقامی واقعات اور حقائق کو موضوع بنا کر تحریروں میں مقامی رنگ بھی پیدا کیا ہے۔ ان کی تحریروں کی بنیاد معاشرتی مسائل، نفسیاتی مطالعے اور مشاہدے پر ہے۔ ان کے کردار زیادہ تر مثالی ہیں، جن میں تنوع پایا جاتا ہے۔ انھوں نے قریباً ہر عمر اور پیشے سے متعلق کردار پیش کیے ہیں۔

پریم چند کا شمار اُردو کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں کے مجموعوں میں ”سوز و غم“، ”پریم بچپنی“، ”پریم چالیسی“، ”زادِ راہ“ اور ”واردات“ زیادہ اہم ہیں۔ انھوں نے افسانوں کے علاوہ ناول بھی لکھے، جس میں ”میدانِ عمل“، ”بازارِ حسن“ اور ”گودان“ کو زیادہ شہرت ملی۔



کفارہ

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو فشی پریم چند کے اُسلوب اور ان کے افسانوں کی سماجی اور اخلاقی پیش کش سے روشناس کرانا
- افسانے کے مرکزی خیال، پلاٹ، کردار نگاری اور افسانوی تکنیک کا شعور پیدا کرنا
- طلبہ کو معاشرے کے لیے مثبت اور مفید کردار ادا کرنے کی ترغیب دینا
- طلبہ کو حرف کی چند اقسام کے بارے میں بتانا

1

ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہیڈ کلرک بابو مداری لال کو کئی بار جگر دو دو سناخت کے سننے کا اتفاق ہوا تھا لیکن ان کا چہرہ کبھی اتنا زرد اور دل کبھی اتنا پامال نہیں ہوا تھا جتنا وہ سرکاری لفافہ کھول کر ہوا جو، ایک دن دس بجے دفتر آتے ہی انھیں ملا۔ لفافہ ہاتھ میں لیے وہ کئی منٹ تک سکتے کے عالم میں کھڑے رہے گویا سارے حواس مفلوج ہو گئے ہوں، گویا دنیا ان کی نظروں میں تاریک ہو گئی ہو۔ بورڈ کے سیکرٹری صاحب نے پشن لے لی تھی اور اس لفافہ میں نئے سیکرٹری کے تقرر کا حکم تھا، اس نئے تقرر پر بابو صاحب کی صورت اتنی متغیر ہو گئی تھی۔ سرکار نے سبودھ چندر کو اس عہدہ پر مامور کیا تھا اور سبودھ چندر وہ شخص تھا جس کے نام سے ہی بابو مداری لال کو نفرت تھی۔ وہ سبودھ چندر جو، ان کا ہم جماعت تھا جسے رک دینے کے لیے انھوں نے بار بار کوشش کی اور ہمیشہ ناکام رہے۔ وہ آج ان کا افسر ہو کر آ رہا تھا۔ سبودھ چندر کی بہت دنوں سے کوئی خبر نہ ملی تھی۔ وہ لڑائی میں شریک ہو کر بصرہ چلا گیا تھا۔ بابو صاحب نے سمجھا تھا، وہیں مر گیا ہوگا مگر آج وہ سیکرٹری ہو گیا اور مداری لال کو اس کی ماتحتی میں کام کرنا پڑے گا۔ اس ذلت سے تو موت بدرجہا بہتر تھی۔ یقیناً سبودھ کو سکول اور کالج کے واقعات یاد ہوں گے۔ مداری لال نے اسے سکول سے نکلوا دینے کے لیے کئی بار سازشیں کیں، غلط اتہام لگائے، بدنام کیا۔ کیا سبودھ وہ ساری باتیں بھول گیا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ وہ آتے ہی انتقام لینے کی کوشش کرے گا اور مداری لال کو جان براری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ مداری لال کو سبودھ سے بغض لگ ہی تھا۔ دونوں ایک ہی دن، ایک ہی مدرسے میں داخل ہوئے تھے اور اسی دن مداری لال کے دل میں حسد کی آگ مشتعل ہو گئی تھی۔ سبودھ کا قصور صرف یہی تھا کہ وہ مداری لال سے زیادہ ذہین، زیادہ حاضر جواب اور زیادہ خندہ پیشانی تھا اور مداری لال نے اس کا قصور کبھی معاف نہیں کیا۔ جب سبودھ ڈگری لے کر اپنے گھر چلا گیا اور مداری لال فیل ہو کر ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر میں نوکر ہو گیا، تب اُسے قدرے اطمینان ہوا۔ جب معلوم ہوا کہ سبودھ بصرہ جا رہا ہے تب مداری لال کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نظر آیا تھا، اُن کے دل سے وہ دیرینہ خلش نکل گئی تھی مگر وائے ناکامی! آج وہ پرانا ناسور صد گونہ سوزش اور تپش کے ساتھ کھل گیا۔ آج اُن کی قسمت سبودھ کے ہاتھ میں تھی اور مداری لال کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ دریا میں بہہ جا رہے ہیں۔



جب ذرا اوسان بجا ہوئے تو مداری لال نے دفتر کے کلرکوں کو سرکاری حکم سناتے ہوئے کہا: ”اب آپ لوگ ذرا ہاتھ پاؤں سنبھال کر رہیے گا۔ سبودھ چند روہ آدمی نہیں ہیں جو غلطیوں کو نظر انداز کر جائیں۔“

ایک کلرک نے پوچھا: ”کیا بہت سخت ہیں؟“

مداری لال نے مسکرا کر کہا: ”وہ تو آپ لوگوں کو دو چار دن ہی میں معلوم ہو جائے گا۔ میں کیوں اپنی زبان سے کسی کی شکایت کروں۔ بس آگاہ کر دیا کہ ذرا ہاتھ پاؤں سنبھال کر رہیے گا۔ آدمی لائق ہے مگر انتہا درجہ غصہ ور، نہایت مغرور اور بد مزاج۔ خود ہزاروں ہضم کر جائے اور ڈکارتک نہ لے مگر کیا مجال کہ کوئی ماتحت ایک کوڑی بھی ہضم کرنے پائے۔ ایسے آدمی سے ایشور ہی بچائے۔ میں تو سوچ رہا ہوں کہ رخصت لے کر گھر چلا جاؤں۔ دونوں وقت حاضری بجالانی ہوگی۔ آپ لوگ آج سے دفتر کے ملازم نہیں، سیکرٹری صاحب کے ملازم ہیں۔ کوئی ان کے لڑکے کو پڑھائے گا، کوئی بازار سے سودا شلف لائے گا، کوئی انھیں اخبار سنائے گا اور چڑاسیوں کے تو شاید دفتر میں درشن ہی نہ ہوں گے۔“

اسی طرح سارے دفتر کو سبودھ کی طرف سے بدظن کر کے مداری لال نے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا۔

2

سبودھ چندر، اس کے ایک ہفتہ بعد گاڑی سے اترے تو اسٹیشن پر بورڈ کے سارے عملہ کو حاضر پایا۔ سب ان کا استقبال کرنے آئے تھے۔ مداری لال کو دیکھتے ہی سبودھ لپک کر ان کے گلے سے لپٹ گئے اور بولے: ”تم خوب ملے بھئی! یہاں کیسے آئے؟ اوہ! آج دس سال کے بعد ملاقات ہوئی۔ کہاں ہوا ب؟“

مداری لال بولے: ”یہاں ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر میں ہیڈ کلرک ہوں۔ آپ خیریت سے تو ہیں!“

سبودھ: ”اجی! میری نہ پوچھو۔ بصرہ، فرانس اور نجانبہاں مارا پھر اتم دفتر میں ہو، یہ بہت اچھا ہوا۔ میری تو سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ کیسے کام چلے گا۔ میرے لیے یہ کام بالکل نیا ہے، کچھ تجربہ ہی نہیں۔ جہاں جاتا ہوں میری خوش نصیبی میرے ساتھ جاتی ہے۔ بصرہ میں سارے افسر خوش تھے۔ دو سال میں کوئی پچیس ہزار روپے بنالایا اور سب اُڑا دیے۔ وہاں سے آکر کچھ دنوں کو آپریشن کے دفتر میں مٹرگشت کرتا رہا۔ یہاں آیا تو تم ملے۔ (کلرکوں کو دیکھ کر) یہ لوگ کون ہیں؟“

مداری لال کے دل پر برچھیاں سی چل رہی تھیں۔ ظالم پچیس ہزار روپے بصرہ سے کمالایا، یہاں قلم گھتے گھتے مر گئے اور پانچ سو بھی نہ جمع کر سکے۔ بولے: ”یہ لوگ بورڈ کے کلرک ہیں، سلام کو حاضر ہوئے ہیں۔“

سبودھ نے ان سب لوگوں سے باری باری ہاتھ ملایا اور بولے: ”آپ لوگوں نے ناحق تکلیف کی، بہت شکر گزار ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ صاحبان کو مجھ سے شکایت کا کوئی موقع نہ ملے گا۔ مجھے اپنا افسر نہیں، اپنا بھائی سمجھیے۔ آپ سب مل کر اس طرح کام کیجیے کہ بورڈ سے نیک نامی ہو اور میں بھی سرخرو ہوں۔ آپ کے ہیڈ کلرک صاحب تو میرے پرانے رفیق اور لنگوٹیا رہیں۔“

ایک چرب زبان کلرک نے کہا: ”ہم سب حضور کے تابع ہیں۔ حتی الامکان تو جناب کو شکایت کا کوئی موقع نہ دیں گے مگر تقاضائے بشری سے اگر کبھی سہو ہو جائے تو حضور بھی ازراہ سرپرستی چشم پوشی فرمائیے گا۔“





سبودھ: ”یہی میرا اصول ہے۔ ہمیشہ یہی اصول رہا، جہاں رہا۔ ماتحتوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ رہا۔ ہم اور آپ دونوں ہی کسی تیسرے کے غلام ہیں۔ پھر رعب کیسا اور حکومت کیسی۔ ہاں! ہمیں نیک نیتی اور تن دہی سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔“

جب سبودھ سے رخصت ہو کر عملہ والے دفتر چلے آئے تو آپس میں باتیں ہونے لگیں:

”آدمی تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔“

”ہیڈ کلرک کے بیان سے تو معلوم ہوتا تھا، سب کو کچا ہی کھا جائے گا۔“

”جناب! یہ دکھانے کے دانت ہیں۔“

3

سبودھ کو آئے ایک مہینا گزر گیا۔ بورڈ کے کلرک، اردلی، چڑاسی سب اس کے برتاؤ سے خوش تھے۔ دلجوئی کرنے کا اس میں ایسا فطری مادہ ہے کہ جو اس سے ایک بار ملتا ہے، ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہو جاتا ہے۔ سخت کلمہ تو اس کی زبان پر آتا ہی نہیں مگر اس کی یہ ساری خوبیاں مداری لال کی آنکھوں میں کھلتی رہتی ہیں۔ وہ اس کا نئے کو اپنے پہلو سے نکال ڈالنے کی ترکیبیں سوچتے رہتے ہیں۔ عملہ کو برا بیچنے کرنا چاہا، ناکامی ہوئی۔ ممبروں کو بھڑکانا چاہا مگر نہ کی کھائی۔ ٹھیکیداروں کو ابھارنے کی کوشش کی، نادم ہونا پڑا۔ چاہتے تھے کہ بھس میں آگ لگا کر آپ دور سے تماشا دیکھیں۔ سبودھ سے اس طرح ہنس کر ملتے، چکنی چڑی باتیں کرتے، گویا اس کے سچے دوست ہیں لیکن گھات میں لگے رہتے کہ کب موقع ملے اور اسے نچا دکھاؤں۔ سبودھ ذہین تھا، لائق تھا مگر مردم شناس نہ تھا۔ وہ مداری لال کو اب بھی اپنا رفیق اور شفیق سمجھتا تھا۔

ایک دن مداری لال، سیکرٹری صاحب کے کمرے میں گئے تو کرسی خالی دیکھی۔ وہ کسی ضرورت سے باہر چلے گئے تھے۔ ان کی میز پر پانچ ہزار کے نوٹ پلندوں میں بندھے ہوئے رکھے تھے۔ بورڈ کے مدرسوں کے لیے کچھ لکڑی کے سامان بنوائے گئے تھے۔ اس کی قیمت تھی۔ ٹھیکے دار آج وصولی کے لیے طلب کیا گیا تھا۔ آج ہی سیکرٹری صاحب نے چیک بھیج کر خوانے سے روپے منگوائے تھے۔ مداری لال نے برآمدہ میں نکل کر دیکھا سبودھ کا کہیں پتا نہ تھا۔ مداری لال کی نیت برگشتہ ہو گئی۔ حسد میں بد نیتی بھی شامل ہوئی۔ انھوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پلندے اٹھائے۔ پتلون کی دونوں جیبوں میں بھر کر فوراً کمرے سے نکلے اور چڑاسی سے پوچھا، سیکرٹری صاحب کمرے میں ہیں یا نہیں؟ چڑاسی نے کہا، جی نہیں، کچہری میں کسی سے باتیں کر رہے ہیں۔ مداری لال نے دفتر میں آ کر ایک کلرک سے کہا یہ فائل لے جا کر سیکرٹری صاحب کو دکھاؤ۔

کلرک فائل لے کر چلا گیا اور ذرا دیر میں لوٹ کر بولا: ”سیکرٹری صاحب کمرے میں نہ تھے، فائل میز پر رکھ آیا ہوں۔“

مداری لال: ”کمرہ چھوڑ کر کہاں چلے جایا کرتے ہیں۔ کسی دن دھوکا اٹھائیں گے۔“

کلرک نے کہا، ”ان کے کمرے میں دفتر والوں کے سوا جاتا ہی کون ہے؟“

مداری: ”تو کیا دفتر والے سب کے سب فرشتے ہیں؟ کب کسی کی نیت برگشتہ ہوتی ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا۔ میں نے چھوٹی چھوٹی رقموں پر، اچھے اچھوں کی نیتیں بدلتے دیکھی ہیں۔ ہم میں اس وقت سبھی شاہ نظر آتے ہیں لیکن موقع پا کر شاید ہی کوئی شاہ رہے۔ یہی انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ آپ جا کر ان کے کمرے کا دروازہ دونوں طرف سے بند کر دیجیے۔“





کلرک: ”چڑا سی تو دروازہ پر بیٹھا ہوا ہے۔“

مداری لال نے جھنجھلا کر کہا: ”آپ سے میں جو کہتا ہوں وہ کیجیے۔ چڑا سی کوئی رشی ہے، منی ہے۔ چڑا سی ہی کچھ اڑا دے تو آپ اس کا کیا کر لیں گے؟ ضمانت بھی ہے تو تین سو کی، یہاں ایک ایک کاغذ لاکھوں کا ہے۔“

یہ کہہ کر مداری لال اٹھے اور دفتر کے دروازے دونوں طرف سے بند کر دیے۔ جب ذرا موقع ملا تو نوٹوں کے پلندے پتلون کی جیب سے نکال کر ایک الماری میں کاغذوں کے نیچے چھپا دیے۔ پھر آکر اپنے کام میں ہمتن محو ہو گئے۔ سبودھ چندر آدھ گھنٹا میں لوٹے تو دروازہ بند تھا۔ دفتر میں آکر مسکراتے ہوئے بولے، یہ دروازہ کسی نے بند کر دیا ہے صاحب! کیا مجھے آنے کی اجازت نہیں ہے؟

مداری لال نے کھڑے ہو کر واعظانہ لہجے میں کہا: ”جناب! گستاخی معاف کیجیے گا۔ آپ جب کبھی باہر جائیں، چاہے ایک منٹ ہی کے لیے کیوں نہ ہو، دروازہ ضرور بند کر دیا کریں۔ آپ کی میز پر روپے پیسے اور سرکاری کاغذات بکھرے پڑے رہتے ہیں، نہ جانے کس وقت کس کی نیت بدل جائے۔ میں نے ابھی سنا کہ آپ کہیں باہر گئے ہوئے ہیں تو دروازے بند کرادیے۔“ سبودھ دروازہ کھول کر کمرے میں گئے اور ایک سگار پینے لگے۔ میز پر نوٹ رکھے ہوئے ہیں، اس کی خبر ہی نہ تھی۔ دفعتاً ٹھیکے دار نے آکر سلام کیا۔ سبودھ کرسی سے اٹھ بیٹھے اور بولے ”تم نے بہت دیر کر دی۔ تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ دس بجے ہی روپے منگوا لیے تھے۔ رسید کا ٹکٹ لائے ہوں؟“

ٹھیکے دار: ”حضور! رسید لکھتا لایا ہوں۔“

سبودھ: ”تو یہ روپیہ لو۔ تمہارے کام سے میں بہت خوش نہیں ہوں۔ لکڑی خراب استعمال کی ہے اور کوئی چیز صاف نہیں۔ اگر ایسا کام پھر کرو گے تو ٹھیکے داروں کے رجسٹر سے تمہارا نام نکال دیا جائے گا۔“

یہ کہہ کر سبودھ نے میز پر نگاہ ڈالی تو نوٹوں کا پلندہ نہ تھا۔ شاید کسی فائل کے نیچے دب گیا ہوگا۔ کرسی کے قریب کے کاغذات الٹ پلٹ ڈالے مگر نوٹوں کا پتا نہیں۔ اس! نوٹ کہاں گئے؟ ابھی یہیں تو میں نے رکھ دیے تھے۔ جا کہاں سکتے ہیں؟ پھر فائلوں کو الٹنے پلٹنے لگے۔ دل میں ذرا ذرا سی دھڑکن ہونے لگی۔ ساری میز کے کاغذات چھان ڈالے۔ پلندہ کا پتا نہیں۔ تب وہ کرسی پر بیٹھ کر اس آدھ گھنٹا کے واقعات اور حرکات کا تبصرہ کرنے لگے۔ چڑا سی نے نوٹوں کا پلندہ لا کر مجھے دیا۔ خوب یاد ہے۔ بھلا یہ بھی بھولنے کی بات ہے اور اتنی جلد! میں نے نوٹوں کو لے کر یہیں میز پر رکھ دیا، گنا تک نہیں۔ اتنے میں ایک وکیل صاحب آ گئے۔ پرانے ملاقاتی ہیں، ان سے باتیں کرتا ہوا ذرا اس درخت کے نیچے چلا گیا۔

یہاں تو پلندہ رکھا ہوا تھا۔ خوب اچھی طرح یاد ہے۔ پھر نوٹ کہاں غائب ہو گئے۔ میں نے کسی صندوق، دراز یا الماری میں نہیں رکھے۔ پھر گئے تو کہاں گئے؟ شاید دفتر میں کسی نے احتیاطاً اٹھا کر رکھ دیے ہوں۔ یہی بات ہے۔ میں ناحق اتنا گھبرا گیا۔ فوراً دفتر میں آکر مداری لال سے بولے: ”آپ نے میری میز پر سے کچھ نوٹ تو کہیں نہیں رکھوا دیے؟“

مداری لال نے استعجاب سے پوچھا: ”کیا آپ کی میز پر نوٹ تھے؟ مجھے تو خبر نہیں۔ ابھی منشی سوہن لال ایک فائل لے کر گئے تھے تو آپ کو کمرے میں نہ دیکھا۔ میں نے سنا کہ آپ کسی سے باتیں کرتے چلے گئے ہیں تو دروازے بند کروا دیے۔ کیا کچھ نوٹ نہیں مل رہے ہیں؟“





سبودھ: ”ارے صاحب! پورے پانچ ہزار کے ہیں۔ ابھی ابھی چیک بھنایا ہے۔“
مداری لال نے سر پیٹ کر کہا: ”پورے پانچ ہزار! یا بھگوان! غضب ہو گیا۔ آپ نے میز پر دیکھ لیا؟“
سبودھ: ”جناب! پندرہ منٹ سے پریشان ہوں۔“
مداری لال: ”چڑا سی سے پوچھ لیا کہ کون کون آیا تھا؟“
سبودھ: ”آئیے! ذرا آپ لوگ بھی تلاش کیجیے۔ میرے حواس درست نہیں ہیں۔“

سارا دفتر سیکرٹری صاحب کے کمرے میں سرگرم تلاش ہوا۔ میز، الماریاں، صندوق سب دیکھے گئے مگر نوٹوں کا پتا نہیں۔ نوٹ غائب ہو گئے۔ اب اس میں شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ سبودھ نے ایک لمبی سانس لی اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کی ہیئت ہی بدل گئی جیسے مسخ ہو گئے ہوں۔
مداری لال نے ہمدردانہ انداز سے کہا: ”غضب ہو گیا۔ آج تک کبھی ایسا سانحہ نہ ہوا تھا، مجھے یہاں کام کرتے ہوئے دس سال ہو گئے کبھی دھیلے کی چیز بھی غائب نہیں ہوئی۔ میں نے آپ کو پہلے ہی دن متنبہ کر دینا چاہا کہ یہاں ذرا ہوشیار رہیے گا مگر شُدنی تھی، خیال ہی نہ رہا۔ ضرور باہر سے کوئی آدمی آیا اور پلندہ لے کر غائب ہو گیا۔ چپراسی کی خطا یہی ہے کہ اس نے اس آدمی کو کمرے میں جانے کیوں دیا۔ وہ لاکھ قسمیں کھائے کہ باہر سے کوئی نہیں آیا لیکن میں اسے کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ صرف منشی سوہن لال ایک فائل لے کر آپ کے کمرے میں گئے تھے مگر دروازہ سے ہی جھانک کر چلے آئے۔“

سوہن لال نے کہا: ”جی ہاں، میں نے تو اندر قدم بھی نہیں رکھا۔ اپنے جوان بیٹے کی قسم کھاتا ہوں جو میں نے اندر قدم رکھا ہو۔“
مداری لال: ”آپ ناحق قسمیں کھاتے ہیں۔ آپ سے کوئی کچھ ہوتا ہے؟ (سبودھ کے کان میں) بینک میں آپ کا کچھ روپیہ ہوتا تو نکال کر ٹھیکے دار کو دے دیا جائے ورنہ سخت بدنامی ہوگی۔ نقصان تو ہو ہی گیا۔ اس کے ساتھ خفت کیوں اٹھانی پڑے۔“ سبودھ چندر نے دردناک لہجے میں کہا: ”بینک میں مشکل سے دو چار سو روپے ہوں گے۔ بھائی جان! روپے ہوتے تو کیا غم تھا۔ سمجھ لیتا جیسے پچیس ہزار اڑ گئے ویسے پانچ ہزار اڑ گئے مگر میں تو قلائع ہوں۔“
اسی رات کو سبودھ چندر نے خود کشی کر لی۔ اتنے روپوں کا انتظام کرنا ان کے لیے مشکل تھا۔ پردہ موت کے سوا انھیں اپنی خفت، ندامت، بدگمانی، ذلت کو چھپانے کی اور کوئی آڑ نہ تھی۔

4

دوسرے دن علی الصبح چپراسی نے مداری لال کے گھر پہنچ کر آواز دی۔ مداری لال کو رات بھر نیند نہ آئی تھی۔ گھبرا کر باہر آئے۔
چپراسی: ”جور بڑا گج ہو گیا۔ سیکرٹری صاحب نے رات کو اپنی گردن پر چھری پھیر لی۔“
مداری کو ایسا معلوم ہوا گویا ان کے سر پر کوئی بڑا سا پتھر ٹوٹ پڑا ہو۔ ”چھری پھیر لی!“
”جی ہاں، آج سویرے معلوم ہوا۔ پولیس کے آدمی جمع ہیں۔ آپ کو بلایا ہے۔“
”لاش ابھی پڑی ہوئی ہے؟“

”جی ہاں، ابھی ڈاکٹری معائنہ ہونے والا ہے۔“





”بہت سے لوگ جمع ہیں؟“

”سب بڑے بڑے اپس جمع ہیں۔ لاس کی طرح دیکھنے نہیں بنتا باجی! کیسا بھلا مانس، ہیرا آدمی تھا۔ سب لوگ رورہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں۔ ایک بڑی لڑکی ہے، بیانیہ لائق! بہوجی کو لوگ کتنا روک رہے ہیں، پر بار بار دوڑ کر لاس کے پاس آ جاتی ہیں۔ کوئی ایسا نہیں ہے جو آنکھیں رومال سے نہ پونچھ رہا ہو۔ ابھی کتنے ہی دن آئے ہوئے پر سب سے کیسا میل جول ہو گیا تھا۔ روپے کی تو انہیں محبت ہی نہیں تھی۔ دریا دل تھا۔“

مداری لال کے سر میں چکر آنے لگا۔ دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر اپنے کو سنبھال نہ لیتے تو شاید گر پڑتے۔

”بہوجی بہت رورہی تھیں۔ کتنے لڑکے تلائے تم نے؟“

”ہجور دو لڑکے ہیں اور ایک لڑکی۔“

”لڑکی سیانی ہوگی؟“

”جی ہاں، بیانیہ لائق ہے۔ روتے روتے بچاری کی آنکھیں سوج اٹھی ہیں۔“

”نوٹوں کے بارے میں بھی بات چیت ہو رہی ہوگی؟“

”جی ہاں، سب لوگ یہی کہتے ہیں کہ دبھتر کے کسی آدمی کا کام ہے۔ دروگاجی تو سوہن لال کو گر پتار کرنا چاہتے تھے مگر سائت آپ کی صلاح لیں۔ سیکرٹری صاحب لکھ گئے ہیں کہ میرا اسک کسی پر نہیں ہے۔ نہیں تو اب تک تہلکہ مچ گیا ہوتا۔ سارا دبھتر پھنس جاتا۔“

”کیا سیکرٹری صاحب کوئی خط لکھ کر چھوڑ گئے ہیں؟“

”ہاں صاحب! معلوم ہوتا ہے چھری مارنے بکھت انہیں یاد آیا کہ سب دبھتر گر پتار ہو جائے گا۔ بس کلکٹر صاحب کے نام چٹھی لکھ دی۔“

”اس چٹھی میں میرا بھی ذکر ہے؟ تمہیں یہ کیا معلوم ہوگا۔“

”ہجور! اب میں کیا بتاؤں مگر اتنا سب لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی بڑی تار پیٹھ لکھی ہے۔“

مداری لال کی سانس اور تیز ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو کے دو بڑے قطرے ٹپک پڑے۔

”میں اور وہ ایک ساتھ کے پڑھے تھے۔ آٹھ دس سال تک ساتھ رہنا، ساتھ اٹھتے بیٹھتے، ساتھ کھاتے، بس اسی طرح تھے جیسے دو سگے

بھائی ہوں۔ خط میں میری کیا تعریف لکھی ہے؟ یہ تمہیں کیا معلوم ہوگا!“

”آپ تو چل ہی رہے ہیں دیکھ لیجئے گا۔“

”کفن کا انتظام ہو گیا ہے؟“

”نہیں صاحب، کہا نا کہ ابھی لاس کا ڈاکٹری معائنہ ہوگا مگر اب جلدی چلیے ایسا نہ ہو کوئی دوسرا آدمی آتا ہو۔“

”ہمارے دفتر کے بھی سب لوگ آگئے ہوں گے؟“

”جی ہاں، کئی آدمی آگئے تھے۔ وہی جو اس محلہ میں رہتے ہیں۔“





”ان سے پولیس والوں نے میری بابت تو سوال جواب نہیں کیا؟“
 ”جی نہیں، کسی سے بھی نہیں۔“

مداری لال جب سبودھ چندر کے گھر پہنچے تو کئی افسر اور محلہ کے معززین جمع تھے۔ مداری لال کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ سب کے سب ان کی طرف بدگمانی کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ پولیس انسپٹر نے انھیں فوراً بلا کر کہا: ”آپ بھی اپنا بیان لکھا دیں اور سب کے بیان لکھ چکا ہوں۔“

مداری لال نے اتنی ہوشیاری سے اپنا بیان دیا کہ انسپٹر پولیس بھی ان کی قانونی نکتہ دانی کا معترف ہو گیا۔ سارے بیان میں ایک لفظ بھی ایسا نہ تھا جو ان کے خلاف پڑا سکے۔

یکا یک مرحوم کے دونوں بچے روتے ہوئے مداری لال کے پاس آئے اور بولے، ”چلیے آپ کو اماں جی بلا رہی ہیں۔“ دونوں مداری لال سے مانوس تھے۔

مداری کو سبودھ چندر کی بیوی سے کبھی بات چیت کرنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ یہ بلا وائس کران کا دل دھڑک اٹھا۔ کہیں اس کا مجھ پر شبہ نہ ہو۔ کہیں سبودھ نے میری نسبت شک تو ظاہر نہیں کیا؟ کچھ جھنجھکے، کچھ ڈرے۔ اندر داخل ہوئے تو بیوہ کا نالہ دلخراش سنائی دیا۔ انھیں دیکھتے ہی بے کس بیوہ کے نالہ درد کا کوئی دوسرا سوتا کھل گیا۔ لڑکی نے آکر انھیں پرنام کیا اور ان کے لیے ایک کرسی رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ دونوں لڑکوں نے بھی انھیں گھیر لیا۔ مداری لال کو ان تینوں کی نظروں میں ایسی بے کسانہ التجا بھری ہوئی معلوم ہوئی کہ وہ ان کے سامنے دیکھ نہ سکے۔

ان کا نفس انھیں نفیرین کرنے لگا۔ جن غریبوں کو ان پر اتنا اعتماد، اتنا بھروسہ، اتنی عقیدت، اتنی یگانگت ہے، انھیں کی گردن پر انھوں نے چھری پھیری۔ انھیں کے ہاتھوں یہ بھراؤرا خاندان خاک میں مل گیا۔ ان غریبوں کا اب کیا حشر ہوگا؟ لڑکی کی شادی کرنی ہے، کون کرے گا؟ بچوں کی تعلیم و تربیت کا بار کون اٹھائے گا؟ مداری لال خود اپنی نظروں میں اتنے ذلیل ہوئے، ان کے دل نے خود اتنا دھتکارا کہ ان کی زبان سے تشفی کا ایک لفظ نہ نکلا۔ انھیں ایسا محسوس ہوا گویا ان کے چہرے پر کوئی سیاہ اور بدنماداغ لگا ہوا ہے۔ گویا ان کا قد کچھ چھوٹا ہو گیا ہے۔ وہ سبودھ چندر کو صرف پریشان کرنا چاہتے تھے۔ اس کا یہ انجام ہوگا، شاید اس کا انھیں گمان بھی نہیں تھا۔

مجرع بیوہ نے سکتے ہوئے کہا، ”بھئیاجی! ہم لوگوں کو وہ منجھدھار میں چھوڑ گئے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ دل میں یہ بات ٹھان چکے ہیں تو اپنے پاس جو کچھ تھا، سب ان کے قدموں پر رکھ دیتی۔ مجھ سے تو وہ یہی کہتے رہے کہ کوئی نہ کوئی انتظام ہو جائے گا۔ آپ ہی کے ذریعے وہ کوئی مہاجن ٹھیک کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے اوپر انھیں اتنا بھروسہ تھا کہ بیان نہیں کر سکتی۔“

مداری لال کو ایسا معلوم ہوا کہ کوئی ان کے دل پر نشتر چلا رہا ہے۔ ان کے حلق میں کوئی وزنی چیر پھنسی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

بیوہ نے پھر کہا، ”رات سوئے تو خوب ہنس رہے تھے۔ معمول کے مطابق دودھ پیا، بچوں کو بیمار کیا، تھوڑی دیر تک ہارمونیم بجایا۔ کوئی ایسی بات نہ کی جس سے کسی قسم کا شبہ ہوتا۔ مجھے متفکر دیکھ کر بولے، تم ناحق گھبراتی ہو۔ مداری لال سے پرانی ملاقات ہے۔ آخر وہ کس دن کام آئے گی۔ میرے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں۔ اس شہر میں ان کی خاصی عزت ہے۔ روپوں کا انتظام آسانی سے ہو جائے گا۔ پھر نہ جانے کب





ان کا ارادہ پلٹا۔ میں نصیبوں جلی ایسی سوئی کہ رات کو سکی تک نہیں۔ کیا جانتی تھی کہ وہ اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔“

مداری لال کو سارا مکان تیرتا ہوا معلوم ہوا۔ انھوں نے بہت ضبط کیا پر جوشِ اشک نہ روک سکے۔ بیوہ نے آنکھیں پونچھ کر پھر کہا: ”بابو جی! جو کچھ ہونا تھا، وہ تو ہو چکا لیکن آپ اس بد معاش کا پتا ضرور لگائیے جس نے ہمارا استیانا س کیا۔ دفتر ہی کے کسی آدمی کی حرکت ہے۔ وہ بہت سیدھے سادے آدمی تھے۔ مجھ سے یہی کہتے رہے کہ میرا کسی پر شبہ نہیں ہے۔ آپ سے صرف یہی التجا کرتی ہوں کہ اس بد معاش کو بچ کر جانے نہ دیجیے گا۔ پولیس والے شاید رشوت لے کر اسے چھوڑ دیں۔ آپ کو دیکھ کر ان کا یہ حوصلہ نہ ہوگا۔ اب ہمارے سر پر آپ کے سوا اور کون ہے۔ کس سے اپنا دکھ کہیں۔ لاش کی یہ دُرگت ہونی ہی لکھی تھی۔“

مداری لال کے سر میں ایسا چکر آیا کہ وہ زمین پر گر پڑے۔

5

تیسرے پہر لاش کا معائنہ ختم ہوا۔ جنازہ ہندی کی طرف چلا۔ سارا دفتر، سارے حکام اور ہزاروں آدمی ساتھ تھے۔ چتا کے مراسم لڑکوں کے ہاتھوں ادا ہونے چاہئیں تھے مگر لڑکے نابالغ تھے۔ بیوہ چلنے کو تیار ہی ہو رہی تھی کہ مداری لال نے جا کر کہا، ”بابو جی! یہ فرض مجھے ادا کرنے دو۔ تم کرایا پر بیٹھ جاؤ گی تو بچوں کو کون سنبھالے گا؟ سبودھ میرے بھائی تھے۔ زندگی میں میں ان کے ساتھ کچھ سلوک نہ کر سکا۔ اب زندگی کے بعد مجھے اپنا دوستانہ اور برادرانہ فرض ادا کر لینے دو۔ آخر میرا بھی تو ان پر کچھ حق تھا۔“

بیوہ نے رو کر کہا، ”آپ کو بھگوان نے بڑا وفا پرورد دل دیا ہے بابو جی، نہیں تو مرنے پر کون پوچھتا ہے۔ دفتر کے آدمی جو آدھی آدھی رات تک ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے، جھوٹوں بھی نہ آئے کہ ذرا دل کو ڈھارس ہوتی۔“

مداری لال نے واہ کرایا کی۔ تیرہ دن تک سنسکا ر کرتے رہے۔ تیرہویں دن پنڈ دان ہوا۔ ہر ہمنوں نے بھوجن کیا۔ فقیروں کو غلہ تقسیم کیا گیا۔ قریبی احباب کی دعوت ہوئی اور سبھی اخراجات مداری لال نے ادا کیے۔ بیوہ نے ہر چند اصرار کیا کہ آپ نے جتنا کیا، اتنا ہی بہت ہے۔ اب میں آپ کو اور زیادہ زیر بار نہیں کرنا چاہتی۔ دوستی کا حق اس سے زیادہ اور کوئی کیا ادا کرے گا مگر مداری لال نے ایک نہ سنی۔ سارے شہر میں لوگ ان کی تعریف کرنے لگے۔ دوست ہو تو ایسا ہو!

سولہویں دن بیوہ نے مداری لال سے کہا، ”بھئی! آپ نے ہمارے ساتھ جو سلوک اور احسان کیے، ان سے ہم مرتے دم تک سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ آپ نے ہمارے سر پر ہاتھ نہ رکھا ہوتا تو نہیں معلوم ہماری کیا گت ہوتی۔ اسی طرح کبھی کبھی یاد کیجیے گا۔ اب ہمیں اجازت دیجیے کہ گھر جائیں۔ وہاں دیہات میں خرچ بھی کم ہوگا اور کچھ کھیتی باڑی کا سلسلہ بھی کر لوں گی۔ کسی نہ کسی طرح زندگی کے دن کٹ جائیں گے۔“

مداری لال: ”گھر پر کتنی جائیداد ہے؟“

بیوہ: ”جائیداد کیا ہے! ایک کچا مکان ہے اور دس بارہ بیگھے کاشت کاری ہے۔ پکا مکان بنوانا شروع کیا تھا مگر روپے پورے نہ پڑے۔

ابھی ادھورا پڑا ہوا ہے۔ دس بارہ ہزار روپے خرچ ہو گئے اور ابھی چھت پڑنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔“





مداری: ”کچھ روپے بینک میں جمع ہیں یا بس کھیتی ہی کا سہارا ہے؟“

بیوہ: ”جمع تو ایک پائی بھی نہیں ہے بھتیجی! ان کے ہاتھ میں روپیہ ہر نہ پاتا تھا۔ بس وہی کھیتی باڑی ہے۔“

مداری: ”تو ان کھیتوں میں اتنی پیداوار ہو جائے گی کہ لگان بھی ادا ہو جائے اور تم لوگوں کی بسر اوقات بھی ہو؟“

بیوہ: ”اور کبھی کیا سکتے ہیں بھتیجی۔ کسی نہ کسی طرح زندگی تو کاٹنا ہی ہے۔ بچے نہ ہوتے تو میں زہر کھالیتی۔“

مداری: ”اور ابھی لڑکی کی شادی بھی کرنی ہے!“

بیوہ: ”لڑکی کی شادی کی اب کوئی فکر نہیں ہے۔ کاشتکاروں میں بہت سے ایسے مل جائیں گے جو بلا کچھ لیے دیے شادی کر لیں گے۔“

مداری نے ذرا دیر خاموش رہ کر کہا: ”اگر میں کچھ صلاح دوں تو اسے مانیں گی آپ؟“

بیوہ: ”بھتیجی! آپ کی صلاح نہ مانیں گے تو کسی کی صلاح مانیں گے؟ دوسرا اور ہے ہی کون؟“

مداری: ”تو آپ اپنے گھر جانے کے بدلے میرے گھر چلیے۔ جیسے میرے بال بچے کھائیں، رہیں گے ویسے آپ کے بال بچے بھی

رہیں گے۔ آپ کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہوگی۔ میرا مکان کافی بڑا ہے۔ آپ چاہیں گی تو اسے دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ آپ کو دے

دوں گا ورنہ ایک ساتھ ہی رہیں گے۔ ایشور نے چاہا تو لڑکی کی شادی بھی کسی شریف خاندان میں ہو جائے گی۔“

بیوہ نے آنکھوں میں احسان اور تشکر کے آنسو بھرتے ہوئے کہا: ”مگر بابو جی! سوچیے۔“

مداری نے بات کاٹ کر کہا: ”میں نہ کچھ سوچوں گا ورنہ کوئی عذر مانوں گا۔ آپ کو میری یہ درخواست قبول کرنی پڑے گی۔ میں آج دس

دن سے اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا اور اس تجویز کے سوا مجھے اور کوئی دوسری صورت نظر نہیں آئی۔ دو بھائیوں کے خاندان کیا ایک ساتھ نہیں

رہتے؟ سب دھ کو میں اپنا بھائی سمجھتا ہوں اور ہمیشہ سمجھوں گا۔“

بیوہ کا کوئی عذر نہ سنا گیا۔ اُسی دن مداری لال سارے خاندان کو اپنے گھر لے گئے اور آج دس سال سے ان کی پرورش کر رہے

ہیں۔ لڑکی کی شادی ایک بہت ممتاز خاندان میں ہو گئی۔ دونوں بچے کالج میں پڑھتے ہیں اور ان کی ماں مداری لال کے گھر کی مالکن ہے۔

مداری لال اور ان کی بیوی دل و جان سے اس کی خدمت کرتے ہیں اور اس کی مرضی کو مقدم سمجھتے ہیں۔

مداری لال نے اپنے گناہ کو خدمت کے پردے میں چھپا لیا ہے۔

پریم چالیسی





(مشق)

افسانہ ”کفارہ“ کا متن مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

- i بابومداری لال اور سبودھ چندر کے مابین کیا رشتہ تھا؟
- ii سبودھ چندر کی تعیناتی پر بابومداری لال کیوں پریشان تھے؟
- iii مداری لال نے ”نئے صاحب“ کے بارے میں کس طرح غلط فہمیاں پیدا کیں؟
- iv سبودھ چندر نے اپنے سٹاف سے کیا کہا؟
- v سبودھ چندر کی میز سے پانچ ہزار کے نوٹ کا پلندہ کس نے چڑایا تھا؟
- vi بابومداری لال نے اپنی زیادتیوں کا کفارہ کیسے ادا کیا؟

درست جوابات کی نشان دہی کریں:

2

- i سرکاری لفافے میں تقرر کا حکم نامہ تھا:
 - (الف) کلرک کا (ب) نئے سیکرٹری کا (ج) ہیڈ کلرک کا (د) چپڑاسی کا
- ii بابومداری لال نے سیکرٹری سبودھ چندر کے تھے:
 - (الف) دوست (ب) ہمسایہ (ج) پرانے یار (د) ہم جماعت
- iii مداری لال کو دیکھتے ہی سبودھ چندر نے لپک کر:
 - (الف) مارنا پیٹنا شروع کر دیا (ب) دھکا دے دیا (ج) پکڑ لیا (د) گلے سے لگا لیا
- iv سبودھ چندر بصرہ سے کمالایا:
 - (الف) دس ہزار روپے (ب) پندرہ ہزار روپے (ج) بیس ہزار روپے (د) پچیس ہزار روپے
- v سبودھ چندر ذہین تھا مگر نہ تھا:
 - (الف) معاملہ فہم (ب) بُردبار (ج) مردم شناس (د) موقع شناس





”اپنے جوان بیٹے کی قسم کھاتا ہوں جو میں نے اندر قدم رکھا ہو۔“ یہ الفاظ کہے:

vi

(الف) مداری لال نے (ب) سبودھ چندر نے (ج) سوہن لال نے (د) ٹھیکے دار نے

مداری لال کو ایسا معلوم ہوا کہ کوئی ان کے دل پر چلا رہا ہے:

vii

(الف) چاقو (ب) خنجر (ج) چھری (د) نشتر

افسانہ ”کفارہ“ کا خلاصہ تحریر کریں۔

3

دیے ہوئے موضوعوں کے الفاظ کی مدد سے جملے مکمل کریں:

4

i سبودھ کا تصور صرف یہی تھا کہ وہ مداری لال سے زیادہ ذہین، زیادہ حاضر جواب اور زیادہ _____ تھا۔ (خندہ پیشانی، حسین)

i

ii آپ لوگ ذرا ہاتھ پاؤں _____ کر رہے ہیں۔ (باندھ، سنبھال)

ii

iii مگر تقاضائے بشری سے اگر کبھی _____ ہو جائے تو ازراہ سرتی چشم پوشی فرمائیے گا۔ (غلطی، سہو)

iii

iv اجی! میری نہ پوچھو بصرہ، _____ اور نہ جانے کہاں کہاں مارا پھرا۔ (فرانس، ایران)

iv

v اندر داخل ہوئے تو بیوہ کا نالہ _____ سنائی دیا۔ (دل سوز، دلخراش)

v

vi لڑکی کی شادی ایک بہت _____ خاندان میں ہو گئی۔ (ممتاز، اعلیٰ)

vi

5 افسانے کا عنوان ”کفارہ“ کس طرح کہانی کے موضوع سے ہم آہنگ ہے؟ وضاحت کریں۔

5

6 پریم چند نے حسد، بغض، نفرت کے مضمرات کے علاوہ ”گناہ اور توبہ“ کے تصور کو کس طرح پیش کیا ہے؟ تفصیل سے بتائیں۔

6

7 پریم چند ایک حقیقت نگار ادیب ہیں۔ ان کے شاملِ نصاب افسانہ ”کفارہ“ میں سے کس طرح حقیقت نگاری کو تلاش کیا جاسکتا ہے؟

7

8 مداری لال کا کفارہ ادا کرنا اس کی اخلاقی ذمہ داری تھی یا سماجی دباؤ؟ دلائل دیں۔

8

9 مندرجہ ذیل محاورات، تراکیب و مرکبات کے معانی لغت سے تلاش کریں اور انھیں اپنے جملوں میں استعمال کریں:

9

ہمہ تن مجو ہونا

نیت برگشتہ ہونا

نالہ دلخراش

ستیا ناس کرنا

نشتر چلانا

اتہام لگانا

اوسان بجا ہونا

دیرینہ خلش

دل جوئی کرنا

چشم پوشی کرنا





سبق کے متن کے مطابق صحیح یا غلط پر نشان لگائیں:

10

- | | | | |
|-----|---|-------------------------------|------------------------------|
| i | مداری لال کے دل میں حسد کی آگ مشتعل ہو گئی تھی۔ | ☐ صحیح | ☐ غلط |
| ii | سبودھ چندر گاڑی سے اترے تو اسٹیشن پر بورڈ کے عملے کو غائب پایا۔ | ☐ صحیح | ☐ غلط |
| iii | سادی خوبیاں سبودھ چندر کی آنکھوں میں کھٹکتی رہتی ہیں۔ | ☐ صحیح | ☐ غلط |
| iv | ”جناب! میں منٹ سے پریشان ہوں۔“ | ☐ صحیح | ☐ غلط |
| v | سبودھ نے ایک لمبی سانس لی اور چار پائی پر سو گئے۔ | ☐ صحیح | ☐ غلط |

حروف کی مختلف اقسام

حروفِ ندا وہ حروف ہیں جو کسی کو آواز دینے یا پکارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے: اجی! میری بات سنیں۔ اس جملے میں ”اجی“

حرفِ ندا ہے۔ حروفِ ندا کے بعد علامتِ ندا ”!“ استعمال کی جاتی ہے۔ اجی، اے، او، یا، ارے وغیرہ حروفِ ندا ہیں۔

حروفِ تحسین وہ حروف ہیں جو کسی کی تعریف اور تحسین کرتے وقت ادا کیے جاتے ہیں۔ جیسے: شاباش! آپ نے پہلا انعام حاصل کیا

ہے۔ اس جملے میں ”شاباش“ حرفِ تحسین ہے۔ حروفِ تحسین کے فوری بعد فجا سیہ کی علامت ”!“ استعمال کی جاتی ہے۔

واہ، وا، شاباش، آفرین، اللہ اللہ وغیرہ حروفِ تحسین ہیں۔

حروفِ نفرین وہ حروف ہیں جو نفرت، حقارت یا برا بھلا کہنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے: لعنت ہے تمہارے جھوٹ پر۔ اس

جملے میں ”لعنت“ حرفِ نفرین ہے۔ تف، ہزار لعنت، بھٹکار، اخ تھو وغیرہ حروفِ نفرین ہیں۔

حروفِ انبساط وہ حروف ہیں جو خوشی اور مسرت و انبساط کے موقع پر ادا کیے جاتے ہیں۔ جیسے: سبحان اللہ! کیسا خوب صورت منظر ہے۔

اس جملے میں ”سبحان اللہ“ حرفِ انبساط ہے۔ واہ، آہا، خوب، بہت خوب وغیرہ حروفِ انبساط ہیں۔

حروفِ تائیف وہ حروف ہیں جو افسوس اور غم کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے: آہ! صائمہ کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ اس جملے میں

”آہ“ حرفِ تائیف ہے۔ افسوس، صد افسوس، حیف، ہائے، حسرتا وغیرہ حروفِ تائیف ہیں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ ○ کیا افسانہ ”کفارہ“ کا اختتام مناسب تھا؟ بحث کریں۔

○ مداری لال اور سبودھ چندر کے مرکزی کرداروں کی شخصیت اور کردار پر گروپ کی شکل میں بات چیت کریں۔

○ پریم چند کے افسانے ”عید گاہ“ کا مطالعہ کریں اور اس کا فکری و فنی موازنہ افسانہ ”کفارہ“ سے کریں۔

اشاراتِ تدریس

○ افسانے کے مشکل الفاظ اور جملوں کی وضاحت کریں۔

○ مداری لال اور سبودھ چندر کے کرداروں کی تحلیل نفسی (Psycho Analysis) پیش کریں۔

○ پریم چند کے بارے میں بتائیں کہ وہ اردو ادب کے اوّلین افسانہ نگاروں کی صف میں شامل ہیں اور وہ ترقی پسند ہونے

کے ساتھ ساتھ حقیقت نگاری میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے۔





پطرس بخاری

(۱۸۹۸ء-۱۹۵۸ء)

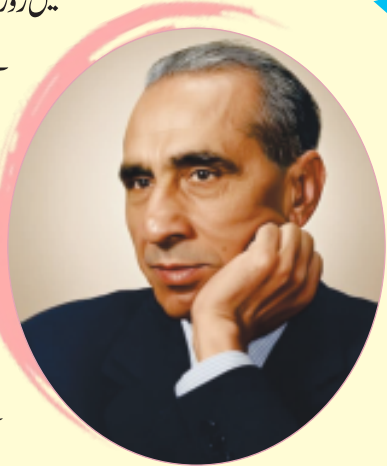
پطرس بخاری اردو ادب کے ممتاز مزاح نگار، ادیب، مترجم اور ریڈیو پاکستان کے نام ور براڈ کاسٹر تھے۔ ان کا اصل نام ”سید احمد شاہ“ تھا لیکن وہ ”پطرس بخاری“ کے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنی جائے پیدائش پشاور میں حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی ادب میں ماسٹر کیا اور طوائف تمغا حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم کی خاطر انگلستان روانہ ہوئے اور کیمبرج یونیورسٹی سے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور جیسے تاریخی ادارے میں انگریزی زبان و ادب کی تدریس کا موقع ملا۔ بعد میں وہ ریڈیو یعنی آواز کی دنیا سے وابستہ ہو گئے اور یہاں اپنی لیاقت اور تجربے کی بنیاد پر ترقی کرتے ہوئے ڈائریکٹر جنرل کے عہدے تک چلے گئے۔

پطرس بخاری ذہین، حاضر جواب اور خوش مزاج شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی تحریروں اور تقریریں دونوں ہی دل چسپ اور متاثر کن تھیں۔

پطرس بخاری کو مزاح نگاروں کا شہزادہ کہا جاتا ہے۔ ان کی تحریروں میں شگفتگی، ظرافت اور گہرائی پائی جاتی ہے۔ ان کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ”پطرس کے مضامین“ اردو مزاح نگاری کا شاہکار تصور ہوتا ہے۔ ان کے یہ مضامین بے حد ہلکے پھلکے ہیں جن میں روزمرہ زندگی کے معمولات کو نہایت دل چسپ اور طنز و مزاح کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کی تحریروں میں انگریزی ادب کے اثرات کافی نمایاں ہیں۔

پطرس بخاری کا انتقال ۵ دسمبر ۱۹۵۸ء کو نیویارک، امریکا میں ہوا، جہاں وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔

پطرس بخاری کی تحریروں، آج بھی اردو ادب کے طلبہ اور قارئین کے لیے بہت خاص ہیں۔ ان کا نام اردو مزاح نگاری کی روایت میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔





سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو پطرس بخاری کے مزاحیہ مضامین کی انفرادیت اور اسلوب بیان سے روشناس کرانا
- مزاح کی ادبی اہمیت اور معاشرتی رویوں پر تنقید کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا
- طلبہ میں طنز و مزاح کے ذریعے سے معاشرتی مسائل پر تنقیدی سوچ پیدا کرنا

گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف دوڑتا ہے۔ ہماری جوشامت آئی تو ایک دن اپنے پڑوسی لالہ کرپاشنکر جی برہمچاری سے برسبیل تذکرہ کہ بیٹھے کہ ”لالہ جی! امتحان کے دن قریب آتے جاتے ہیں، آپ سحر خیز ہیں، ذرا ہمیں بھی صبح جگادیا کیجیے۔“ وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے نفلوں کے بھوکے بیٹھے تھے۔ دوسرے دن اُٹھتے ہی انھوں نے ایشور کا نام لے کر ہمارے دروازے پر مگنا بازی شروع کر دی۔ کچھ دیر تک تو ہم سمجھے کہ عالم خواب ہے۔ ابھی سے کیا فکر جگاتے تو لا حول پڑھ لیس گے لیکن یہ گولہ باری، لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی گئی۔ اور صاحب جب کمرے کے چوبی دروازے لرزنے لگے، صراحتی پر کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ میں کیا میرے آبا و اجداد کی روحیں اور میری قسمت خوابیدہ تک جاگ اُٹھی ہوگی۔ بہتیرا آوازیں دیتا ہوں۔ ”اچھا!۔۔۔ اچھا!۔۔۔ تھینک یو!۔۔۔ جاگ گیا ہوں!۔۔۔ بہت اچھا! نوازش ہے!“ آنجناب ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ خدا یا کس آفت کا سامنا ہے؟ یہ سوتے کو جگا رہے ہیں یا مُردے کو جلا رہے ہیں؟ اور حضرت عیسیٰ بھی تو بس واجبی طور پر ہلکی سی آوازیں ”قُم“ کہہ دیا کرتے ہوں گے، زندہ ہو گیا تو ہو گیا، نہیں تو چھوڑ دیا۔ کوئی مُردے کے پیچھے لٹھ لے کے پڑ جایا کرتے تھے؟ تو پیں تھوڑی داغا کرتے تھے؟ تو بھلا ہم سے کیسے ہو سکتا تھا کہ اُنھ کو دروازے کی چٹنی کھول دیتے، پیش تر اس کے کہ بستر سے باہر نکلیں، دل کو جس قدر سمجھانا بھجانا پڑتا ہے، اس کا اندازہ کچھ اہل ذوق ہی لگا سکتے ہیں۔ آخر کار جب لیپ جلا یا اور ان کو باہر سے روشنی نظر آئی، تو طوفان تھا۔

اب جو ہم کھڑکی میں سے آسمان کو دیکھتے ہیں تو جناب ستارے ہیں کہ جگمگا رہے ہیں! سوچا کہ آج پتا چلائیں گے، یہ سورج آخر کس طرح سے نکلتا ہے لیکن جب گھوم گھوم کر کھڑکی میں سے اور روشن دان میں سے چاروں طرف دیکھا اور بزرگوں سے صبح کا ذب کی جتنی نشانیاں سنی تھیں، ان میں سے ایک بھی کہیں نظر نہ آئی، تو فکر سی لگ گئی کہ آج کہیں سورج گرہن نہ ہو۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا، تو پڑوسی کو آواز دی:

”لالہ جی!۔۔۔ لالہ جی!“

جواب آیا، ”ہوں۔“

میں نے کہا: ”آج یہ کیا بات ہے۔ کچھ اندھیرا اندھیرا سا ہے؟“





کہنے لگے، ”تو اور کیا تین بچے ہی سورج نکل آئے؟“

تین بچے کا نام سن کر ہوش گم ہو گئے، چونک کر پوچھا، ”کیا کہا تم نے؟ تین بچے ہیں؟“

کہنے لگے، ”تین۔۔۔ تو۔۔۔ نہیں۔۔۔ کچھ سات۔۔۔ ساڑھے سات۔۔۔ منٹ اوپر تین ہیں۔“

میں نے کہا، ”اے کم بخت! خدائی فوج دار! بدتمیز کہیں کے! میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ صبح جگا دینا، یا یہ کہا تھا کہ سرے سے سونے ہی نہ دینا؟ تین بچے جا گنا بھی کوئی شرافت ہے؟ ہمیں تو نے کوئی ریلوے گارڈ سمجھ رکھا ہے؟ تین بچے ہم اٹھ سکا کرتے تو اس وقت دادا جان کے منظورِ نظر نہ ہوتے؟ اے احمق کہیں کے! تین بچے اٹھ کے ہم زندہ رہ سکتے ہیں؟ امیر زادے ہیں، کوئی مذاق ہے! لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ۔“

دل تو چاہتا تھا کہ عدم تشدد و شدد کو خیر باد کہ دوں لیکن پھر خیال آیا کہ بنی نوع انسان کی اصلاح کا ٹھیکہ کوئی ہمیں نے لے رکھا ہے؟ ہمیں اپنے کام سے غرض۔ لیمپ بجھایا اور بڑھڑلاتے ہوئے پھر سو گئے۔ اور پھر حسبِ معمول نہایت اطمینان کے ساتھ بھلے آدمیوں کی طرح دس بچے اٹھے، بارہ بچے تک منہ ہاتھ دھویا اور چار بچے چائے پی کر ٹھنڈی سڑک کی سیر کو نکل گئے۔

شام کو واپس ہاسٹل میں وارد ہوئے۔ جوشِ شباب تو ہے ہی اس پر شام کا ارمان انگیز وقت، ہوا بھی نہایت لطیف تھی، طبیعت بھی ذرا مچلی ہوئی تھی۔ ہم ذرا ترنگ میں گاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے:

بلائیں زلفِ جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

کہ اتنے میں پڑوسی کی آواز آئی، ”مسٹر!“

ہم اس وقت ذرا چٹکی بجانے لگے تھے۔ بس انگلیاں وہیں پر رُک گئیں اور کان آواز کی طرف لگ گئے۔ ارشاد ہوا: ”یہ آپ کا رہے ہیں؟“ (زور ”آپ“ پر)

میں نے کہا ”جی! میں کس لائق ہوں۔ لیکن خیر فرمائیے؟“ بولے، ”ذرا۔۔۔ وہ میں۔۔۔ میں ڈسٹرب ہوتا ہوں۔“

بس صاحب، ہم میں جو موسیقیت کی روح پیدا ہوئی تھی فوراً گر گئی۔ دل نے کہا، ”اونارکا انسان! دیکھ پڑھنے والے یوں پڑھتے ہیں۔“ صاحب، خدا کے حضور میں گڑ گڑا کر دعا مانگی کہ ”خدا یا ہم بھی اب باقاعدہ مطالعہ شروع کرنے والے ہیں۔ ہماری مدد کرو ہمیں ہمت دے۔“ آنسو پونچھ کر اور دل کو مضبوط کر کے میز کے سامنے آ بیٹھے، دانت بھینچ لیے، نکلانی کھول دی، آستینیں چڑھالیں، لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کریں کیا؟ سامنے سرخ، سبز، زرد سب ہی قسم کی کتابوں کا انبار لگا تھا۔ اب ان میں سے کون سی پڑھیں؟ فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے کتابوں کو ترتیب سے میز پر لگا دیں کہ باقاعدہ مطالعہ کی پہلی منزل یہی ہے۔

بڑی تقطیع کی کتابوں کو علیحدہ رکھ دیا۔ چھوٹی تقطیع کی کتابوں کو سائز کے مطابق الگ قطار میں کھڑا کر دیا۔ ایک نوٹ پیپر پر ہر ایک کتاب کے صفحوں کی تعداد لکھ کر سب کو جمع کیا، پھر ۱۵۔ اپریل تک کے دن گئے۔ صفحوں کی تعداد کو دونوں کی تعداد پر تقسیم کیا۔ ساڑھے پانچ سو جواب آیا، لیکن اضطراب کی کیا مجال جو چہرے پر ظاہر ہونے پائے۔ دل میں کچھ تھوڑا سا پچھتاوے کے صبح تین بچے ہی کیوں نہ اٹھ بیٹھے لیکن کم خوابی کے طبی پہلو پر غور کیا تو فوراً اپنے آپ کو لامتناہی کی آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ تین بچے اٹھنا تو لغو بات ہے البتہ پانچ، چھ، سات بچے کے قریب اٹھنا معقول ہوگا۔ صحت بھی قائم رہے گی اور امتحان کی تیاری بھی باقاعدہ ہوگی۔ ہم خرم و ہم نوا ہوئے!





یہ تو ہم جانتے ہیں کہ سویرے اُٹھنا ہو تو جلدی ہی سو جانا چاہیے۔ کھانا باہر سے ہی کھا آئے تھے۔ بستر میں داخل ہو گئے۔ چلتے چلتے خیال آیا، کہ لالہ جی سے جگانے کے لیے کہہ ہی نہ دیں؟ یوں تو ہماری اپنی قوتِ ارادی کافی زبردست ہے، جب چاہیں اُٹھ سکتے ہیں، لیکن پھر بھی کیا حرج ہے؟

ڈرتے ڈرتے آواز دی، ”لالہ جی!“

انھوں نے پتھر کھینچ مارا ”یس!“

ہم اور بھی سہم گئے کہ لالہ جی کچھ ناراض معلوم ہوتے ہیں، تُملا کے درخواست کی کہ ”لالہ جی! صبح آپ کو بڑی تکلیف ہوئی، میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ کل اگر دُرا مجھے چھ بچے یعنی جس وقت چھ بچیں۔۔۔“

جواب نہ دار۔

میں نے پھر کہا، ”جب چھ بچے نکلیں تو۔۔۔ سنا آپ نے؟“

چُپ۔

”لالہ جی!“

کڑکتی ہوئی آواز نے جواب دیا: ”نن لیاُن لیا، چھ بچے جگا دوں گا۔ تھری گا پلس، فور ایلفا پلس۔۔۔“

ہم نے کہا، ”ب۔۔۔ ب۔۔۔ ب۔۔۔ بہت اچھا۔ یہ بات ہے۔“

تو بہ! خدا کسی کا محتاج نہ کرے۔

لالہ جی آدمی بہت شریف ہیں۔ اپنے وعدے کے مطابق دوسرے دن صبح چھ بچے انھوں نے دروازے پر گھونسلوں کی بارش شروع کر دی۔ ان کا جگانا تو محض ایک سہارا تھا ہم خود ہی انتظار میں تھے کہ یہ خواب ختم ہو لے تو بس جاگتے ہیں۔ وہ نہ جگاتے تو میں خود ایک دو منٹ کے بعد آنکھیں کھول دیتا۔ بہر صورت جیسا کہ میرا فرض تھا، میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے اس شکل میں قبول کیا کہ گولہ باری بند کر دی۔

اس کے بعد کے واقعات ذرا بحث طلب سے ہیں اور ان کے متعلق روایات میں کسی قدر اختلاف ہے۔ بہر حال اس بات کا تو مجھے یقین ہے اور میں قسم بھی کھا سکتا ہوں کہ آنکھیں میں نے کھول دی تھیں، پھر یہ بھی یاد ہے کہ ایک نیک اور سچے مسلمان کی طرح کلمہ شہادت بھی پڑھا۔ پھر یہ بھی یاد ہے کہ اُٹھنے سے پیش تر دیا چے کے طور پر ایک آدھ کروٹ بھی لی، پھر کانہیں پتا۔ شاید لحاف اوپر سے اتار دیا۔ شاید سر اس میں لپیٹ دیا یا شاید کھانا کہ خدا جانے یا خراٹا لیا۔ خیر یہ تو یقینی امر ہے کہ دس بجے ہم بالکل جاگ رہے تھے لیکن لالہ جی کے جگانے کے بعد اور دس بجے سے پیش تر خدا جانے ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ نہیں ہمارا خیال ہے پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ بہر صورت یہ نفسیات کا مسئلہ ہے، جس میں نہ آپ ماہر ہیں نہ میں۔ کیا پتا، لالہ جی نے جگا ہی دس بجے ہو یا اس دن چھ دیر میں بجے ہوں۔ خدا کے کاموں میں ہم آپ کیا دخل دے سکتے ہیں؟ لیکن ہمارے دل میں دن بھر یہ شبہ رہا کہ قصور کچھ اپنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب شرافت ملاحظہ ہو، کہ محض اس شبہ کی بنا پر صبح سے شام تک ضمیر کی ملامت سننا رہا اور اپنے آپ کو کوستار ہا مگر لالہ جی سے ہنس نہس کر باتیں کیں، ان کا شکریہ





ادا کیا۔ اور اس خیال سے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو، حد درجے کی طمانیت ظاہر کی کہ آپ کی نوازش سے میں نے صبح کا سہانا اور روح افزا وقت بہت اچھی طرح صرف کیا ورنہ اور دنوں کی طرح آج بھی دس بجے اٹھتا۔ لالہ جی! صبح کے وقت دماغ کیا صاف ہوتا ہے، جو پڑھو خدا کی قسم فوراً یاد ہو جاتا ہے۔ بھئی! خدا نے صبح بھی کیا عجیب چیز پیدا کی ہے یعنی اگر صبح کے بجائے صبح، صبح شام ہوا کرتی تو دن کیا بری طرح کٹا کرتا۔

لالہ جی نے ہماری اس جادو بیانی کی دادیوں دی کہ آپ پوچھنے لگے، ”تو میں آپ کو چھ بجے جگا دیا کروں ناں؟“

میں نے کہا، ”ہاں ہاں، واہ! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ بے شک۔“

شام کے وقت آنے والی صبح کے مطالعہ کے لیے دو کتابیں چھانٹ کر میز پر علیحدہ جوڑ دیں۔ کرسی کو چار پائی کے قریب سرکا لیا۔ اوور کوٹ اور گلوبند کو کرسی کی پشت پر آویزاں کر دیا۔ کٹنوپ اور دستانے پاس ہی رکھ لیے۔ دیا سلائی کو تیکے کے نیچے ٹولا۔ تین دفعہ آیت الکرسی پڑھی اور دل میں نہایت ہی نیک منصوبے باندھ کر سو گیا۔

صبح لالہ جی کی پہلی دستک کے ساتھ ہی جھٹ آنکھ کھل گئی۔ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ لحاف کی ایک کھڑکی میں سے ان کو ”کُٹ مارنگ“ کیا، اور نہایت بیدارانہ لہجے میں کھانسا، لالہ جی مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔

ہم نے اپنی ہمت اور اولوالعزمی کو بہت سراہا کہ آج ہم فوراً ہی جاگ اُٹھے۔ دل سے کہا کہ ”دل بھیا! صبح اٹھنا تو محض ذرا سی بات ہے، ہم یوں ہی اس سے ڈرا کرتے تھے۔“

دل نے کہا، ”اور کیا؟ تمہارے تو یوں ہی اوسان خطا ہو جایا کرتے ہیں۔“

ہم نے کہا ”سچ کہتے ہو یا ر، یعنی اگر ہم سُستی اور کسالت کو خود اپنے قریب نہ آنے دیں تو ان کی کیا مجال ہے کہ ہماری باقاعدگی میں خلل انداز ہوں۔ اس وقت لاہور شہر میں ہزاروں ایسے کابل لوگ ہوں گے جو، دنیا و مافیہا سے بے خبر نیند کے مزے اُڑاتے ہوں گے اور ایک ہم ہیں کہ ادائے فرض کی خاطر نہایت شگفتہ طبعی اور غچہ دہنی سے جاگ رہے ہیں۔ بھئی کیا بر خور دار معادلات آثا واقع ہوئے ہیں!“

ناک کو سردی سی محسوس ہونے لگی تو اسے ذرا یوں ہی سالخاف کی اوٹ میں کر لیا اور پھر سوچنے لگے۔ ”محبوب! تو ہم آج کیا وقت پر جاگے ہیں۔ بس ذرا اس کی عادت ہو جائے تو باقاعدہ قرآن مجید کی تلاوت اور فجر کی نماز بھی شروع کر دیں گے۔ آخر مذہب سب سے مقدم ہے۔ ہم بھی کیا روز بروز الحاد کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں، نہ خدا کا ڈر اور نہ رسول کا خوف۔ سمجھتے ہیں کہ بس اپنی محنت سے امتحان پاس کر لیں گے۔ اکبر بے چارہ یہی کہتا کہتا مر گیا لیکن ہمارے کان پر جوں تک نہ چلی۔۔۔ (لحاف کانوں پر سرک آیا)۔۔۔ تو گویا آج ہم اور لوگوں سے پہلے جاگے ہیں۔۔۔

بہت ہی پہلے۔۔۔ یعنی کالج شروع ہونے سے بھی چار گھنٹے پہلے۔ کیا بات ہے! خداوند، کالج والے بھی کس قدر سُست ہیں۔ ایک مستعد انسان کو چھ بجے تک قطعی جاگ اُٹھنا چاہیے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کالج سات بجے کیوں نہ شروع ہوا کرے۔۔۔ (لحاف سر پر)۔۔۔ ”بات یہ ہے کہ تہذیب جدید، ہماری تمام اعلیٰ قوتوں کی تیج کنی کر رہی ہے۔ عیش پسندی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔۔۔ (آنکھیں بند)۔۔۔ تو اب چھ بجے ہیں تو گویا

تین گھنٹے تو متواتر مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ پہلے کون سی کتابیں پڑھیں۔ شیکسپیر یا ورڈز ورثہ؟ میں جانوں شیکسپیر بہتر ہوگا۔ اس کی عظیم الشان تصانیف میں خدا کی عظمت کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور صبح کے وقت اللہ میاں کی یاد سے بہتر چیز کیا ہو سکتی ہے؟ پھر خیال آیا کہ دن کو جذبات کے محشرستان سے شروع کرنا ٹھیک فلسفہ نہیں۔ ورڈز ورثہ پڑھیں۔ اس کے اوراق میں فطرت کو سکون و اطمینان میسر ہوگا اور دل و دماغ





نیچر کی خاموش دلاویزیوں سے ہلکے ہلکے لطف اندوز ہوں گے۔۔۔ لیکن شیکسپیر۔۔۔ نہیں ورڈز ورتھ۔۔۔ لیڈی میکبیتھ۔۔۔ دیوانگی۔۔۔ سبزہ زار۔۔۔ سنجر سنجر۔۔۔ بادِ بہاری۔۔۔ صید ہوں۔۔۔ کشمیر۔۔۔ میں آفت کا پرکالہ ہوں۔۔۔

یہ مُممہ اب مابعد الطبیعات ہی سے تعلق رکھتا ہے، کہ پھر جو ہم نے لحاف سے سر باہر نکالا اور ورڈز ورتھ پڑھنے کا ارادہ کیا تو وہی دس بج رہے تھے۔ اس میں نہ معلوم کیا بھید ہے!

کالج ہال میں لالہ جی ملے، کہنے لگے: ”مسٹر! صبح میں نے آپ کو پھر آواز دی تھی، آپ نے جواب نہ دیا؟“
میں نے زور کا قہقہہ لگا کر کہا، ”اوہو! لالہ جی یاد نہیں۔ میں نے آپ کو گڈ مارنگ کہا تھا؟ میں تو پہلے ہی سے جاگ رہا تھا۔“
بولے، ”وہ تو ٹھیک ہے لیکن بعد میں۔۔۔ اس کے بعد!۔۔۔ کوئی سات بجے کے قریب، میں نے آپ سے تاریخ پوچھی تھی، آپ بولے ہی نہیں۔“

ہم نے نہایت تعجب کی نظروں سے ان کو دیکھا۔ گویا وہ پاگل ہو گئے ہیں اور پھر ذرا متین چہرہ بنا کر ماتھے پر تیوریاں چڑھائے، غور و فکر میں مصروف ہو گئے۔ ایک آدھ منٹ تک ہم اس غمغین میں رہے۔ پھر یکایک ایک عجوبانہ اور معشوقانہ انداز سے مسکرا کے کہا، ”ہاں ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، میں اس وقت۔۔۔ اے۔۔۔ اے، نماز پڑھ رہا تھا۔“

لالہ جی مرعوب ہو کر چل دیے اور ہم اپنے زہد و تقویٰ کی تسکینی میں سر نیچا کیے کمرے کی طرف چلے آئے۔ اب یہی ہمارا روزِ مژہ کا معمول ہو گیا ہے۔ جاگنا نمبر ایک چھ بجے۔ جاگنا نمبر دوس بجے۔ اس دوران لالہ جی آواز دیں تو نماز!

(پطرس کے مضامین)

مشق

سبق کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

مصطفیٰ نے صبح کے وقت جگانے کے لیے کس سے درخواست کی تھی؟

i

”وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے نفلوں کے بھوکے بیٹھے تھے۔“ اس جملے میں ”نفلوں کا بھوکا“ سے کیا مراد ہے؟

ii

”پڑوسی کی گولہ باری“ سے کیا مراد ہے؟

iii

مصطفیٰ کو پہلی مرتبہ کتنے بجے جاگایا گیا تھا؟

iv

”فلسفہ عدم تشدد“ کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

v

مصطفیٰ بھلے آدمیوں کی طرح کس وقت جاگے؟

vi

مصطفیٰ نے مطالعے کے لیے کیا طریق کار اختیار کیا؟

vii

مصطفیٰ نے شیکسپیر اور ورڈز ورتھ کی کیا خوبیاں بیان کی ہیں؟

viii

لالہ جی مصطفیٰ سے کس بات پر مرعوب ہو کر چل دیے؟

ix



درست جوابات کی نشان دہی کریں:

2

i ”گیدڑ کی موت (کم بختی) آتی ہے تو شہر کی طرف دوڑتا (بھاگتا) ہے“: قواعد کی رُو سے ہے:

(الف) محاورہ (ب) روزمرہ (ج) مقولہ (د) ضرب المثل

ii صراحی پر رکھا گلاس بجنے لگا:

(الف) باجے کی طرح (ب) بانسری کی طرح (ج) جھرنے کی طرح (د) جل ترنگ کی طرح

iii ”اس کا اندازہ کچھ اہل ذوق ہی لگا سکتے ہیں۔“ کے جملے میں ”اہل ذوق“ سے یہاں مراد ہے:

(الف) صبح سویرے جاگنے والے (ب) رات کو سونے والے (ج) موسیقی کا شوق رکھنے والے (د) کاہلی اور سُستی برتنے والے

iv بزرگوں سے جتنی نشانیاں سنی تھیں:

(الف) چاند گرہن کی (ب) صبح کاذب کی (ج) صبح صادق کی (د) سورج گرہن کی

v تین بجے جاگنا بھی کوئی:

(الف) تنگ ہے (ب) وقت ہے (ج) سمجھ داری ہے (د) شرافت ہے

vi صفحات کی تعداد کو دنوں کی تعداد پر تقسیم کیا، جواب آیا:

(الف) تین سو (ب) چار سو (ج) ساڑھے چار سو (د) ساڑھے پانچ سو

vii بعد کے واقعات ہیں ذرا:

(الف) غور طلب (ب) توجہ طلب (ج) بحث طلب (د) انصاف طلب

3 سبق ”سویرے جوکل آنکھ میری کھلی“ کے اہم نکات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے الفاظ میں خلاصہ تحریر کریں۔

3

4 سبق کے متن کے مطابق صحیح/غلط بیانات کی نشان دہی کریں:

4

i دوسرے دن اٹھتے ہی انھوں نے بھگوان کا نام لے کر ہمارے دروازے پر مگابازی شروع کر دی۔ ☐ صحیح ☐ غلط

ii میں کیا میرے آباؤ اجداد کی روحیں اور میری قسمت خوابیدہ تک جاگ اٹھی ہوگی۔ ☐ صحیح ☐ غلط

iii سوچا کہ آج پتا چلائیں گے، یہ چاند اور تارے آخر کس طرح نکلتے ہیں۔ ☐ صحیح ☐ غلط

iv جوشِ شباب تو ہے ہی اس پر شام کا کیف آفریں وقت۔ ☐ صحیح ☐ غلط

v دانت بھینچ لیے، نکلانی کھول دی، آستینیں چڑھائیں لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کریں کیا! ☐ صحیح ☐ غلط



درج ذیل کے معنی و مفہوم لکھیں اور اپنے جملوں میں استعمال کریں:

5

خدائی فوج دار

ہوش گم ہونا

ناکار انسان

ہم خرم و ہم ثواب

سعادت آثار واقع ہونا

خلل انداز ہونا

جادو بیانی

کم خوابی

سبق ”سویرے جو کل آنکھ میری کھلی“ میں انگریزی کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان کی نشان دہی کرتے ہوئے فہرست بنائیں۔

6

مغربی تہذیب سے رات کو دیر تک جاگنا اور صبح تاخیر سے بیدار ہونے کا کلچر کس طرح ہمارے معاشرے میں داخل ہوا؟ اس عادت کے نقصانات پر بات چیت کریں۔

7

پطرس بخاری نے اپنے اس مزاحیہ مضمون میں کس طرح نوجوان نسل کی کاہلی، سُستی، مذہب بیزاری وغیرہ جیسی عادات اور رویوں پر تنقید کی ہے؟

8

مندرجہ ذیل پیرا گراف کی تشریح کریں اور خط کشیدہ الفاظ کے معانی بھی لکھیں۔

9

”لیکن لالہ جی کے جگانے کے بعد اور دس بجے سے پیش تر خدا جانے ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ نہیں ہمارا خیال ہے پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ بہر صورت یہ نفسیات کا مسئلہ ہے جس میں نہ آپ ماہر ہیں نہ میں۔ کیا پتا، لالہ جی نے جگایا ہی دس بجے ہو یا اس دن چھ دیں میں بجے ہوں۔ خدا کے کاموں میں ہم آپ کی مدد دے سکتے ہیں۔“

درج ذیل پیرا گراف کا بغور مطالعہ کریں اور دیے گئے سوالات کے جوابات تحریر کریں:

10

پاکستان کے ہر خطے میں بے شمار مقامی مشاہیر نے علم و ادب، فن اور سماجی خدمات کے شعبوں میں نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ مثلاً پنجاب سے علامہ اقبالؒ جیسے عظیم شاعر اور مفکر، سندھ سے شہباز قلندرؒ جیسے صوفی بزرگ، بلوچستان سے میر چاکر اعظم رند جیسے تاریخی ہیرو اور خیبر پختونخوا سے خوشحال خان خٹک جیسے عوامی رہنما اور شاعر پیدا ہوئے۔ یہ مشاہیر نہ صرف اپنے علاقوں کا فخر اور سرمایہ ہیں بلکہ پورے ملک کے ثقافتی ورثے کی شناخت بھی ہیں۔ ان کی زندگیوں سے ہمیں عزم و ہمت، محنت اور قومی یک جہتی کا سبق ملتا ہے۔

سوالات

(۱) مشاہیر سے کیا مراد ہے؟

(۲) علامہ اقبالؒ کی وجہ شہرت کیا ہے؟

(۳) خوشحال خان خٹک کون ہیں اور ان کا تعلق کس صوبے سے ہے؟

(۴) مشاہیر کی زندگیوں سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

(۵) پاکستان کے چند اہم مشاہیر کے نام لکھیں۔





ترکیب نحوی

ترکیب نحوی سے مراد کسی جملے کے اجزا کو الگ الگ کرنا اور ان کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنا ہے۔ ترکیب نحوی کرتے وقت چند باتیں ذہن میں رکھیں:

- جس جملے کی ترکیب نحوی مطلوب ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اس جملے کا مفہوم سمجھتے ہوں۔
- اگر کسی شعر یا شعر کے مصرعے کی ترکیب نحوی کرنی ہو تو پہلے اس شعر مصرعے کو نشر میں تبدیل کریں۔
- پہلے معلوم کیجیے کہ کیا جملہ اسمیہ ہے یا فعلیہ۔ ترکیب نحوی کرنی ہو تو یہ ترتیب ہوگی:

جملہ اسمیہ کی مثال

ہے فعل ناقص • حارث • مبتدا • ذہین • خبر

جملہ فعلیہ کی مثال

لکھا فعل تام • احمد فاعل • خط مفعول • نے علامت فاعل

سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ اپنے روزمرہ کے پر لطف واقعات پر مشتمل ایک مختصر مزاحیہ مضمون تحریر کریں اور جماعت میں سنائیں۔
- پطرس بخاری کے مضمون ”سویرے جو کل آنکھ میری کھلی“ کے بنیادی موضوع یعنی سستی اور کاہلی پر گروپ کی شکل میں بحث کریں۔
- سبق میں استعمال ہونے والے محاورات، ضرب الامثال اور ترکیب کی فہرست بنائیں اور ان کے متبادل مترادف تجویز کریں۔
- پطرس بخاری کا مضمون ”مرحوم کی یاد میں“ جماعت میں پڑھیں اور اس پر اظہار خیال کریں۔

اشارات تدریس

- مضمون ”سویرے جو کل آنکھ میری کھلی“ کو بھرپور مزاحیہ انداز میں اس طرح پڑھیں کہ طلبہ کے چہروں پر خوش گوار اشراٹ نظر آئیں۔
- پطرس بخاری اور مشتاق احمد یوسفی کے مزاحیہ اسلوب کا موازنہ کریں۔
- طلبہ کو مضمون کے اہم اور دل چسپ اقتباسات کو کارٹون کی صورت میں ڈیزائن کرنے کی ہدایت دیں۔





شفیع عقیل

(۱۹۳۰ء-۲۰۱۳ء)

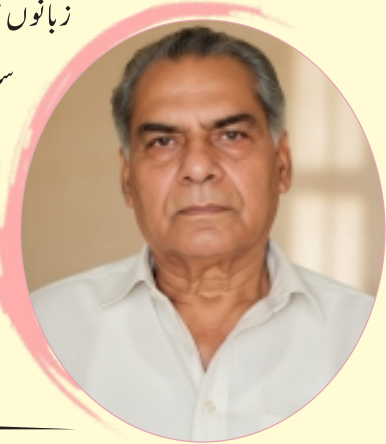
خاندانی نام محمد شفیع، ادبی نام شفیع عقیل ہے۔ شین۔ عین کے نام سے بھی لکھتے رہے۔ لاہور چھاؤنی کے ایک نواحی گاؤں تھینہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی زمانہ دھرم پورہ (حال مصطفیٰ آباد) میں گزرا۔ اُن کا کہنا ہے کہ ابتدائی عمر کا زمانہ نہایت مفلسی میں بسر ہوا مگر انھوں نے محنت کے بل بوتے پر غربت کو اپنی ترقی کی راہ میں کبھی رکاوٹ بننے نہیں دیا۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ انھیں اس بات پر بڑا فخر ہے کہ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے قائد اعظم کے نیشنل گارڈ کے فرائض انجام دیے اور لٹے پٹے مہاجرین کی دل و جان سے خدمت کی تھی۔

شفیع عقیل نے منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحان پاس کیے۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی آگئے جہاں صحافت سے وابستہ ہو کر روزنامہ ”جنگ“ کراچی میں ملازمت اختیار کر لی۔ ۱۹۵۷ء میں بچوں کے میگزین ”بھائی جان“ کے ایڈیٹر بن گئے۔

اسی دوران مشہور مزاحیہ شاعر اور صحافی مجید لاہوری کے پندرہ روزہ رسالے ”نمکدان“ کے مدیر معاون بھی رہے۔ ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۶ء تک ہفت روزہ ”اخبارِ جہاں“ کے ایڈیٹر رہے۔ ان کے علاوہ بھی دیگر اخبارات و رسائل سے ان کا تعلق رہا۔

شفیع عقیل نے دنیا بھر کی سیاحت کی اور سفر نامے بھی لکھے ہیں لیکن انھیں جس موضوع پر تخصص حاصل ہے، وہ لوک کہانیاں ہیں۔ انھوں نے دنیا کے مختلف ملکوں کی لوک کہانیوں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ صرف خطہ پنجاب کی لوک کہانیوں، لوک داستانوں اور حکایتوں پر گیارہ کتابیں مرتب کی ہیں، جن میں سے ”پنجابی لوک کہانیاں“ یونیسکو کی طرف سے سات زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ شفیع عقیل منجھے ہوئے مترجم ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر، نقاد اور سفر نامہ و ناول نگار بھی تھے۔

شامل کتاب لوک داستان ”دوستی کا پھل“ ان کی کتاب ”پنجابی لوک داستانیں“ سے لی گئی ہے جس میں دوستی کے موضوع کو جانوروں اور پرندوں کی بولیوں میں پیش کیا گیا ہے۔ پنجابی اور مقامی زبان کے الفاظ اردو زبان میں بڑی مہارت اور خوب صورتی سے سموئے گئے ہیں۔ اس کہانی میں بتایا گیا ہے کہ دوستی اور اتحاد سے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی شکست دی جاسکتی ہے۔



دوستی کا پھل

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو پنجابی لوک ادب اور ثقافتی ورثے سے روشناس کرانا
- پنجابی لوک داستان ”دوستی کا پھل“ میں پنجابی زبان کے الفاظ، محاورات اور اسلوب بیان کو سمجھنے میں رہنمائی فراہم کرنا
- طلبہ کو کہانی کے عناصر (پلاٹ، کردار، کہانی کے موڑ، اخلاقی سبق) کی شناخت کرنے کی تربیت دینا
- طلبہ کو حرف کی مختلف اقسام اور تلخیص نگاری کے بارے میں بتانا

کسی جنگل میں، ایک کبوتر اور کبوتری رہتے تھے۔ ایک بڑے سے درخت پر ان کا گھونسلہ تھا اور اس میں وہ دونوں امن، چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب کبوتری نے گھونسلے میں انڈے دیے تو اسے ہر وقت اسی بات کی فکر لگی رہتی کہ کہیں کوئی جانور انڈے نہ لے جائے۔ یہی بات سوچتے ہوئے، ایک روز وہ کبوتر سے کہنے لگی:

”ہمارا یہاں کوئی ایسا سنگی ساتھی نہیں ہے جو وقت پڑنے پر کام آ سکے۔“

”لیکن تمہیں یہاں خطرہ کس بات کا ہے؟“

کبوتر نے حیرانی سے دریافت کیا۔ اس پر کبوتری اسے سمجھانے کے انداز میں بولی۔

”بروقت کسی کو بتا کر نہیں آیا کرتا۔“

پھر اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا:

”ہمیں اپنے ایک دوستی ضرور بنانے چاہئیں تاکہ مصیبت کے وقت وہ ہماری مدد کر سکیں۔“

کبوتری کی یہ بات سن کر، کبوتر بھی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر کہنے لگا:

”تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ یہاں ہماری برادری کا کوئی پرندہ بھی تو نہیں رہتا۔ پھر دوست بنائیں تو کسے بنائیں؟“

کبوتری بولی: ”کوئی حرج نہیں۔ ہماری برادری کا کوئی پرندہ نہیں ہے تو نہ ہو۔ پھر کسی دوسری برادری کے پرندے یا جانور سے بھی تو

تعلقات قائم کیے جاسکتے ہیں۔ اکیلا جان دار، دنیا میں کسی کام کا نہیں ہوتا۔ ہمیں کوئی نہ کوئی ساتھی ضرور بنالینا چاہیے۔“

سچ تو یہ ہے کہ کبوتری کی بات کبوتر کے دل کو لگ گئی تھی۔ آج تک اس کا اس طرف دھیان ہی نہ گیا تھا اور اب کبوتری کے کہنے پر اسے

بھی احساس ہونے لگا تھا کہ کوئی نہ کوئی دوست ضرور ہونا چاہیے۔ وہ دل ہی دل میں اپنے ارد گرد کے قریبی علاقے کے بارے میں سوچنے لگا

کہ وہاں کون کون رہتا ہے۔ کچھ پرندے اس کے ذہن میں آئے لیکن وہ وہاں سے کافی فاصلے پر رہتے تھے، اس لیے ان سے دوستی کرنا یا نہ

کرنا برابر تھا کیونکہ وقت پڑنے پر انھیں اطلاع بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ سوچتے سوچتے کبوتر کو خیال آیا کہ جہاں وہ رہتے ہیں، اس سے ذرا



آگے ایک دوسرے درخت پر گدھوں کا جوڑا رہتا ہے۔ اس نے کبوتری سے کہا:

”قربیب ہی ایک درخت پر گدھوں کا ایک جوڑا رہتا ہے۔ اگر تم کہو تو میں ان کے پاس جاؤں؟“ کبوتری جلدی سے بولی:

”اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟ ابھی جاؤ اور ان سے دوستی قائم کرو۔“

”مگر مجھے تو گدھوں سے ڈر لگتا ہے۔ ان کا ہم سے میل مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔“

کبوتر سوچ میں پڑ گیا لیکن کبوتری نے پھر اسے سمجھاتے ہوئے کہا:

”گدھ ہیں تو کیا ہے؟ ہیں تو پرندے! تم جا کر تو دیکھو۔“

”اچھا تم کہتی ہو تو چلا جاتا ہوں۔“

کبوتر نے اتنا کہا اور اسی وقت اڑ کر گدھوں کے جوڑے کے پاس جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سلام دعا کی اور پھر بڑی اپنائیت سے

کہنے لگا: ”ہم سب ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں اور اس طرح ہمارا رشتہ سگوں جیسا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم ایک دوسرے کے دوست بن جائیں۔“

اس پر گدھ قدرے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا:

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمسائے تو ماں جائے ہوتے ہیں۔ آپس کے دُکھ شکھ میں شریک ہو کر ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں۔“

کبوتر نے انھیں بھی اپنا ہم خیال پایا تو بولا:

”میں اسی لیے تم لوگوں کے پاس آیا ہوں کہ آج سے ہم دوست بن جائیں۔“

جواب میں گدھ بولا:

”ہم تو آج سے ایک دوسرے کے دوست بن گئے ہیں مگر میری بات مانو تو ہم ایک اور کام کریں۔“

کبوتر نے پوچھا: ”وہ کیا؟“

جس پر گدھ نے بتایا:

”یہاں قربیب ہی ایک درخت کی کھوہ میں ایک سانپ رہتا ہے، اگر وہ بھی ہمارا دوست بن جائے تو پھر ہم خطرے سے بالکل محفوظ

ہو جائیں گے۔“

یہ تجویز کبوتر کو بھی پسند آئی، لہذا وہ بولا: ”اگر یہ بات ہے تو چلو اس کے پاس چلتے ہیں۔ وہ بھی ہمارا دوست بن جائے۔“

چنانچہ گدھ اور کبوتر دونوں سانپ کے پاس پہنچ گئے۔ سانپ کو اپنے آنے کا مقصد بتایا اور کہا:

”یہ ٹھیک ہے کہ ہم تینوں مختلف برادری سے تعلق رکھتے ہیں مگر دوست بننے میں کیا حرج ہے؟“

”دوستی میں تو کوئی پابندی حائل نہیں ہوتی۔“

سانپ نے ان دونوں کی باتوں کو بڑے غور سے سنا، کچھ دیر تک لیٹا ان پر سوچ بچار کرتا رہا اور پھر ان سے کہنے لگا:

”دوستی بڑی مشکل ہوتی ہے۔ اس میں ایک دوسرے کے لیے جان قربان کرنا پڑتی ہے۔“

”تم ہمیں ہر امتحان میں ثابت قدم پاؤ گے۔“ دونوں نے بہ یک زبان سانپ سے کہا۔





اس پر سانپ بولا:

”اگر یہ بات ہے تو مجھے تم دونوں کی دوستی منظور ہے۔ آج سے ہم تینوں دوست ہیں اور وقت پڑنے پر ایک دوسرے کی پوری پوری مدد کریں گے۔“

”بالکل ایسا ہی ہوگا۔“

اس طرح کبوتر، گدھ اور سانپ کی دوستی ہو گئی۔ اب کبوتری مطمئن تھی کہ وہ اکیلے نہیں رہے۔ ان کے دوسرے ساتھی بھی ہیں۔ دن گزرتے گئے۔ کبوتری نے جو انڈے دیے تھے، اب ان کی جگہ ننھے مٹے بچوں نے لے لی تھی۔ کبوتری اور کبوتر دن رات بچوں کی دیکھ بھال اور حفاظت میں لگے رہتے۔

ایک روز ایک شکاری اُس طرف آ نکلا۔ وہ صبح سے مارا مارا پھر رہا تھا لیکن کوئی شکار اس کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ وہ اسی درخت کے نیچے آ کر کھڑا ہو گیا جس پر کبوتر اور کبوتری نے گھونسل بنا رکھا تھا۔ اس نے دل میں سوچا، ”خالی ہاتھ گھر جانا اچھی بات نہ ہوگی۔ کیوں نہ کسی گھونسلے سے کسی جانور کے بچے ہی پکڑ کے لے چلوں۔ کچھ تول جائے گا۔“

اتنا سوچ کر اس نے ارد گرد سے درخت کا جائزہ لیا تو اسے اس پر ایک گھونسلہ دکھائی دیا۔ گھونسلہ دیکھ کر اس نے اپنے تجربے سے اس کا اندازہ بھی کر لیا کہ گھونسلے میں کسی پرندے کے بچے بھی موجود ہیں۔ اس وقت شام ہونے کو آئی تھی اور آہستہ آہستہ چاروں طرف اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ یہ دیکھ کر شکاری کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے سوچا، ”اگر میں درخت کے نیچے آگ جلا دوں تو روشنی میں درخت پر گھونسلہ تلاش کرنے میں آسانی رہے گی۔“

اس نے ادھر ادھر سے چند سوکھی لکڑیاں اور گھاس پھوس جمع کی اور پھر ان میں آگ لگا کر آلاؤ سا روشن کر دیا۔ اس کے بعد وہ درخت پر چڑھنے کی تیاری کرنے لگا۔

ادھر درخت کے نیچے شکاری یہ تیاری کر رہا تھا اور ادھر درخت پر بیٹھے ہوئے کبوتر اور کبوتری یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ شکاری کی نیت بھانپ گئے تھے اور اب اپنے بچوں کو بچانے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے جو، ابھی اتنے چھوٹے تھے کہ اڑ بھی نہ سکتے تھے۔

کبوتر، کبوتری سے کہنے لگا: ”میں ابھی اپنے دوستوں کو خبر کرتا ہوں اور انھیں جلد بلا کر لاتا ہوں۔“

اس پر کبوتری کہنے لگی:

”یہ درست ہے کہ تم اپنے دوستوں کو بلا لاؤ گے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ وہ ہماری مدد کو آ بھی جائیں گے لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے ہم خود کوشش کریں۔ ہو سکتا ہے، دوسروں کی مدد کے بغیر یہ مصیبت ٹل جائے۔“

”میرا تو خیال ہے پہلے اپنے دوستوں کو خبر کر دینی چاہیے۔“ کبوتر نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا۔ جس پر کبوتری نے کہا:

”اگر کوئی اپنی مدد آپ نہ کرے تو دوسرے بھی اس کی مدد کو تیار نہیں ہوا کرتے۔ ہاں، اگر ہم اس کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہو جائیں تو

پھر تم اپنے دوستوں کو ضرور بلانا۔ مگر پہلے خود ہی کچھ کرنا چاہیے۔“

شکاری آگ جلا چکا تھا اور اب اس نے روشنی میں درخت پر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ کبوتری نے جب اسے درخت پر چڑھتے ہوئے





دیکھا تو کبوتر سے بولی:

”اگر ہم آگ بجھا دیں تو شکاری اندھیرے میں ہمارا گھونسلانہیں ڈھونڈ سکے گا۔“

”مگر ہم آگ کیسے بجھا سکتے ہیں؟“ کبوتر قدرے فکر مند ہوتے ہوئے بولا۔

”تم آؤ تو سہی! ہم کوشش کرتے ہیں۔“

کبوتری نے اتنا کہا اور وہ دونوں بجلی کی سی تیزی سے اڑ گئے۔

قریب ہی دریا بن رہا تھا۔ ان دونوں نے دریا پر پہنچ کر اپنے پروں میں پانی بھرا اور پھر آن کی آن میں واپس آ کر وہ پانی جلتی ہوئی آگ پر چھڑک دیا۔ وہ پھر اڑے اور دوبارہ پانی لا کر آگ پر چھڑکا اور اس طرح چند ہی لمحوں میں تین چار بار پانی لا کر انھوں نے آگ پر چھڑک دیا، جس سے جلتی ہوئی آگ بجھ گئی۔

درخت پر چڑھتے ہوئے شکاری نے جب دیکھا کہ آگ بجھ گئی ہے اور اندھیرے میں گھونسلاتلاش کرنا مشکل ہے تو نیچے اتر کر اس نے دوبارہ آگ جلائی اور پھر سے درخت پر چڑھنے لگا۔ ادھر کبوتری اور کبوتر نے جب دیکھا کہ آگ دوبارہ روشن ہو گئی ہے تو وہ پھر سے بھاگے بھاگے دریا پر گئے اور پہلے کی طرح پروں میں پانی بھر بھر کر، لا کر اس پر چھڑکنے لگے اور اس طرح چند ہی لمحوں میں انھوں نے پھر آگ بجھا دی۔

شکاری ایک بار پھر درخت پر چڑھتے چڑھتے رُک گیا۔ کچھ اندھیرا ابھی بڑھ چکا تھا اور روشنی کے بغیر درخت پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔ اُسے آگ پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا کہ یہ اپنے آپ بجھ کیسے جاتی ہے۔ وہ غصے میں ہولنا ہوا پھر درخت سے نیچے اتر کر ایک بار پھر ادھر ادھر سے لکڑیاں جمع کر کے ان میں آگ لگا دی۔ اس دفعہ اس نے موٹی موٹی لکڑیاں جمع کی تھیں تاکہ جلنے کے بعد آگ بجھ نہ سکے۔ کبوتر اور کبوتری نے جب یہ دیکھا کہ اس دفعہ کی آگ بجھانا ان کے بس کی بات نہیں تو وہ بہت گھبرائے۔ اب دوستوں کی مدد ضروری تھی چنانچہ کبوتری نے کبوتر سے کہا:

”اب دوستوں سے مدد لینے کا وقت آ گیا ہے۔ جلدی جاؤ اور اپنے گدھ دوست کو مدد کے لیے بلا لاؤ۔“

یہ سنتے ہی کبوتر، آن کی آن میں گدھ کے جوڑے کے پاس پہنچا اور انھیں یہ ساری بات بتا کر کہا:

”اب مجھے تم لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔“

گدھ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، سارے کام چھوڑ کر کہا: ”چلو! ہم ابھی چلتے ہیں، دوستی کس روز کام آئے گی؟“

کبوتر گدھوں کے جوڑے کو ساتھ لے کر آیا تو انھوں نے دیکھا کہ آگ پوری طرح جل رہی تھی اور اس کی روشنی میں شکاری درخت پر چڑھ رہا تھا۔ دونوں گدھ کبوتر اور کبوتری کے ساتھ جلدی جلدی دریا پر گئے اور انھوں نے اپنے بڑے بڑے پروں میں پانی بھر کے، لا کر آگ پر پھینکنا شروع کر دیا۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں میں جلتی ہوئی آگ بجھ گئی۔ یہ دیکھ کر شکاری تمللا کر رہ گیا۔ مصیبت یہ تھی کہ اب اندھیرا بہت زیادہ ہو چکا تھا، پھر یہ بھی تھا کہ شکاری بار بار درخت پر چڑھنے، اترنے میں تھک چکا تھا، اس لیے اس نے دل میں سوچا: ”اب آگ جلنا مشکل ہے، بہت رات ہو گئی ہے۔ کیوں نہ رات یہیں بسر کر لوں۔ صبح آسانی سے بچے نکال کر لے چلوں گا۔“

یہ سوچ کر، وہ درخت سے تھوڑی دور زمین پر کپڑا بچھا کر لیٹ گیا۔ کبوتر اور گدھ نے جب یہ دیکھا کہ شکاری وہیں پر رات بسر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور سونے کی تیاری کرنے لگا ہے تو وہ جان گئے کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔ یہ صبح ضرور گھونسلے میں سے بچے نکال کر لے





جائے گا۔ یہ جان کر وہ کچھ دوسری ترکیبیں سوچنے لگے۔ کبوتری نے رائے دی:

”میری ماں تو تم دونوں، اپنے دوست سانپ کے پاس جاؤ۔ اس وقت وہی ہماری مدد کر سکتا ہے۔“

”ہاں! وہ یقیناً اس وقت ہمارے کام آ سکتا ہے۔“ مادہ گدھ نے بھی کبوتری کی رائے پسند کی۔

کبوتر اور گدھ دونوں، تھوڑی دیر میں اپنے دوست سانپ کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے شروع سے آخر تک اسے ساری

بات بتائی اور پھر کہا:

”اس وقت شکاری وہیں سویا ہوا ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ وہ صبح ضرور نیچے نکال کر لے جائے گا۔“

سانپ لیٹے لیٹے سوچنے لگا تو کبوتر بولا:

”اب صرف تمھاری مدد ہی میرے بچوں کی زندگی بچا سکتی ہے۔“

”ہم اسی لیے تمھارے پاس آئے ہیں۔“ گدھ نے بھی کبوتر کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

سانپ بڑے غور سے ان کی بات سن کر کہنے لگا: ”تم لوگ گھبراؤ نہیں۔ اس وقت تم دونوں جاؤ، میں صبح سارا بندوبست کر لوں گا۔“

”جیسے تمھاری مرضی۔“ گدھ اور کبوتر نے کہا اور دونوں واپس گھونسلے میں آ گئے۔

وہاں آ کر انھوں نے کبوتری اور مادہ گدھ کو ساری بات بتائی اور کہا کہ سانپ نے ہمیں مدد کرنے کا یقین دلایا ہے۔ وہ ضرور اپنی دوستی

نبھائے گا۔

اس کے بعد وہ چاروں کے چاروں درخت پر بیٹھے بیٹھے صبح کا انتظار کرنے لگے۔

شکاری رات بھر بڑے مزے سے سویا اور جب صبح ہوئی تو وہ خوش خوش آنکھیں ملتا ہوا اٹھا کہ درخت پر چڑھ کر گھونسلے میں سے بچے

نکالے اور اپنے گھر کی راہ لے۔ اس نے اٹھ کر اپنا سامان وغیرہ سمیٹا اور جوں ہی درخت پر چڑھنے کے لیے اس کے پاس گیا، اس کی آنکھیں

پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ حواس باختہ ہو گیا۔ گھبراہٹ اور خوف میں اُسے اپنا ہوش تک نہ رہا۔ اس کے تیر کمان کہیں تھے اور اب وہ اپنی جان

بچانے کی فکر کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ جس درخت پر چڑھ کر اسے کبوتر کے گھونسلے سے بچے نکالنا تھے، اس درخت کے تنے کے ارد گرد

بہت بڑا سانپ لپٹا ہوا اسے دیکھ دیکھ کر پھنکار رہا تھا۔ شکاری نے دل میں سوچا:

”جس طرح بھی ہو، اپنی جان بچاؤ۔ بھاڑ میں جائے شکار۔“

وہ اپنا سارا سامان چھوڑ چھاڑ کر اُلٹے پاؤں ایسا بھاگا کہ پھر پلٹ کر نہ دیکھا۔

وہ دن اور آج کا دن، اس شکاری کا کہیں پتا نہیں چل سکا لیکن کبوتر آج بھی سکھ چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ ان کی

دوستی کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی لوگ دوستی اور امن کے پیغام کے لیے کبوتر ہی استعمال کرتے ہیں۔

(پنجابی لوک داستانیں)





مشق

لوک داستان ”دوستی کا پھل“ کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

- i کبوتری کو ہر وقت کس بات کی فکر لگی رہتی تھی؟
- ii اکیلے پن کا احساس ختم کرنے کے لیے کبوتری نے کبوتر کو کیا مشورہ دیا؟
- iii گدھ، سانپ اور کبوتروں کے درمیان دوستی کس بنا پر ہوئی؟
- iv کبوتری کس بات پر مطمئن تھی؟
- v شکاری نے درخت پر چڑھنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی؟
- vi کبوتر اور اس کے دوستوں نے کس طرح شکاری کا منصوبہ خاک میں ملایا؟

درست جوابات کی نشان دہی کریں:

2

- کبوتری کی بات سن کر کبوتر پڑ گیا:
- i (الف) پریشانی میں (ب) حیرانی میں (ج) سوچ میں (د) مشکل میں
 - ii جہاں کبوتر رہتے تھے، پاس ہی درخت پر ایک جوڑا رہتا تھا:
 - iii (الف) تیتروں کا (ب) گدھوں کا (ج) فاختوں کا (د) ہنسوں کا
 - iv ”ہمسائے تو ماں جائے ہوتے ہیں“ قواعد کی رو سے یہ جملہ ہے:
 - v (الف) محاورہ (ب) روزمرہ (ج) کہاوت (د) مقولہ
 - vi سبق ”دوستی کا پھل“ کا ماخذ ہے:
 - vii (الف) پنجابی لوک داستانیں (ب) پشتو لوک داستانیں (ج) سندھی لوک داستانیں (د) ہندکو لوک داستانیں
 - viii گھونسلادیکھ کر شکاری نے اندازہ لگایا:
 - ix (الف) اچانک ہی (ب) اٹکل سے (ج) یوں ہی (د) تجربے سے
 - x آگ بجھانے کے لیے کبوتر اڑے اور پانی بھر لائے:
 - xi (الف) بیروں میں (ب) دُم میں (ج) اپنی چونچ میں (د) اپنے پروں میں





3 ”دوستی کا پھل“ کا خلاصہ تحریر کریں۔

4 ”دوستی کا پھل“ کے مرکزی کرداروں پر گفت گو کریں۔

5 کوہتر، کبوتری، گدھ، سانپ کے درمیان جو مکالمے ہوئے ان کی نشان دہی کریں اور انھیں اپنی کاپیوں میں لکھیں۔

6 ”دوستی کا پھل“ سبق کے حوالے سے مقامی الفاظ، تراکیب اور ضرب الامثال کی معنویت اور اردو زبان پر ان کے اثرات کا جائزہ لیں۔

7 کالم ”الف“ میں دیے گئے الفاظ کو کالم ”ب“ کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

کالم ”ب“	کالم ”الف“
پھونس	سنگی
جیسا رشتہ	برادری کا
ساتھی	سلام
نہ تاؤ	سگوں
پرندہ	گھاس
دُعا	آؤ دیکھا

حروف کی مختلف اقسام

حروف تاکید وہ حروف جو، کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، جیسے: ضرور، بالکل، ہرگز، مطلق وغیرہ۔

حروف شرط و جزا وہ حروف جو، کسی عمل کو دوسرے عمل سے مشروط کرنے کے لیے استعمال میں لائے جاتے ہیں، جیسے: اگر وہ محنت کرتا تو کامیاب ہو جاتا۔ اس جملے میں ”اگر“ حرف شرط جب کہ ”تو“ حرف جزا کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

حروف اضرب وہ حروف ہیں جو، ایک چیز کو زور و گردانی کر کے یا ترقی دے کر اعلیٰ کو ادنیٰ یا ادنیٰ کو اعلیٰ بنانے میں استعمال ہوتے ہیں، مثلاً: وہ اس کا بیٹا ہی نہیں، بلکہ شاگرد بھی ہے۔ ”بلکہ“ یہاں حرف اضرب استعمال ہوا ہے۔

حروف تردید وہ حروف جو، دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے موقع پر ادا کیے جاتے ہیں، جیسے: اچھا ہو یا کہ برا، اپنا یا کہ بیگانہ، ”یا کہ“، ”خواہ“، ”چاہے“، بہ طور حروف تردید استعمال ہوتے ہیں۔





حرف بیان وہ حرف جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیا جائے۔ یہ وضاحت حرف ”کہ“ سے ہوتی ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ حق بات نہ چھپاؤ۔

تلخیص نگاری

تلخیص نگاری سے مراد کسی عبارت یا اقتباس کو مختصر اور جامع انداز میں اس طرح لکھنا کہ کوئی اہم بات تحریر کرنے سے رہ نہ جائے اور غیر ضروری باتیں حذف ہو جائیں۔ تلخیص نگاری ایک فن ہے۔ تلخیص کرتے وقت کوشش کی جانی چاہیے کہ وہ اصل عبارت کا کم و بیش ایک تہائی (۱/۳) حصہ ہو۔

درج ذیل نمونہ پارے کی تلخیص کریں اور مناسب عنوان تجویز کریں:

8

”اے آسمانوں کی روشنی اور اے ناامید دلوں کی تسلی! تیرے ہی شاداب اور سرسبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے ویران جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے، تھکا ہوا مسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سرسبز درختوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ہے۔ وہاں کی ٹھنڈی ہوا، خوش الحان جانوروں کے راگ، بہتی نہروں کی لہریں اُس کے دل کو راحت دیتی ہیں۔ اس کے مَرے ہوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں دل سے دور ہوتی ہیں اور دُور دراز زمانہ کی خیالی خوشیاں سب آ موجود ہوتی ہیں۔“

سرگرمیاں برائے طلبہ

- پُر امن بقائے باہمی اور دوستی کی اہمیت پر بحث کریں۔
- داستان کی مختلف اقسام کے بارے میں تحقیق کریں اور یہ بتائیں کہ ”دوستی کا پھل“ کا شاعر کس قسم میں ہوتا ہے؟
- سینہ بہ سینہ بزرگوں سے سُنی جانے والی کسی لوک کہانی کو اپنے الفاظ اور اپنی اُسلوب میں تحریر کریں اور دوستوں کو سنائیں۔

اشاراتِ تدریس

- کہانی کے کردار اور خاص الفاظ تختہ تحریر پر لکھیں۔
- کہانی پڑھتے وقت مختلف کرداروں کے لیے الگ الگ آوازوں کا استعمال کریں تاکہ طلبہ میں دل چسپی بڑھے۔
- کہانی کے متن کے مطابق مکالمہ تیار کرائیں۔
- طلبہ کو دیگر زبانوں اور ثقافتوں کی ملتی جلتی لوک کہانیوں سے موازنہ کرائیں۔
- طلبہ کو بتائیں کہ ”دوستی کا پھل“ پنجاب کی لوک داستانوں میں سے ایک لوک داستان ہے جو پنجاب کی تہذیب و ثقافت کو عیاں کرتی ہے۔
- طلبہ کو بتائیں کہ زیر مطالعہ لوک داستان علامتی انداز میں پیش ہوئی ہے۔ اس کا اطلاق ہم اپنی معاشرتی زندگی پر بھی کر سکتے ہیں۔





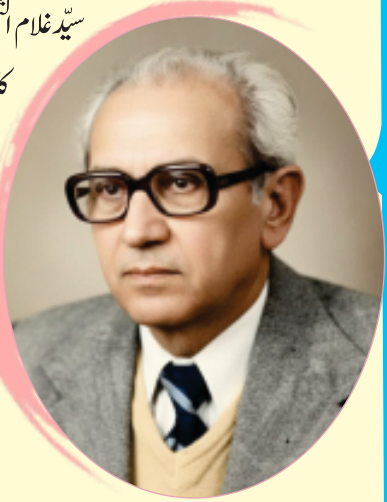
سید غلام الثقلین نقوی

(۱۹۲۳ء - ۲۰۰۲ء)

سید غلام الثقلین نقوی مقبوضہ کشمیر کے ایک گاؤں ”چوکی ہٹن“ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید امیر شاہ نے کچھ عرصہ ریاست جموں و کشمیر کے محکمہ مال میں ملازمت کی جب کہ باقی عمر درس و تدریس میں گزاری۔ سید غلام الثقلین نقوی نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ ۱۹۳۸ء میں میٹرک، ۱۹۴۱ء میں مرے کالج سیال کوٹ سے ایف اے، ۱۹۴۵ء میں بی اے اور ۱۹۴۶ء میں بی ٹی کا امتحان پاس کر کے ہائی سکول میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۰ء میں ایم اے اُردو جامعہ پنجاب سے کیا۔ بطور لیکچرار اُردو، ان کا تقرر گورنمنٹ کالج جھنگ میں ہوا۔ کچھ عرصہ بہاول نگر میں بھی پڑھایا۔ ۱۹۶۸ء میں ان کا تبادلہ سنٹرل ٹریننگ کالج، لاہور میں ہو گیا، جہاں سے ۱۹۸۳ء میں اسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔

سید غلام الثقلین نقوی کو افسانوی ادب سے خاص لگاؤ تھا۔ ان کا پہلا افسانہ ”سانڈنی سوار“ کالج میگزین میں، جب کہ ان کی آخری تحریر ”اگلے وقتوں کے لوگ“ ادبی مجلہ ”اوراق“ میں شائع ہوئی۔

افسانوں کے علاوہ انھوں نے کئی ناول بھی یادگار چھوڑے ہیں۔ ان کے مشہور ناولوں میں ”مکہ و مدینہ“، ”بکھری راہیں“، ”میرا گاؤں“، ”شیر زمان“ اور ”چاند پور کی نینا“ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ مزاحیہ مضامین ”ایک طرفہ تماشا ہے“ اور افسانوی مجموعوں میں ”دھوپ کا سایہ“، ”سرگوشی“، ”لمحے کی دیوار“، ”نغمہ اور آگ“ وغیرہ کو اہمیت حاصل ہے۔





میرا گاؤں

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو ناول کے موضوعات، کرداروں اور واقعات کی تفہیم کرانا
- طلبہ کو پاک بھارت جنگ ۱۹۶۵ء کے بارے میں بتانا
- گاؤں کی معاشرتی، ثقافتی اور معاشی زندگی سے روشناس کرانا
- طلبہ کو ناول کے موضوعات پر تنقیدی انداز میں سوچنے کی ترغیب دینا
- ناول کے اسلوب، زبان اور بیانیے کا تجزیہ کرنا

ناول ”میرا گاؤں“ کا تعارف

اُردو ادب میں سید غلام الثقلین نقوی کی حیثیت اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس وقت جب افسانوی ادب میں شہری تہذیب کو موضوع بنایا جا رہا تھا، انھوں نے نہ صرف دیہاتی معاشرے کے سات رنگوں کی قوس قزح ترتیب دی بلکہ اس کے پورے ثقافتی پس منظر کو بھی عیاں کر دیا۔ نئی پریم چند کے بعد دیہاتی زندگی کو بھرپور انداز میں پیش کرنے کا سہرا سید غلام الثقلین نقوی کے سر ہے۔ ناول ”میرا گاؤں“ میں قیام پاکستان سے کچھ پہلے سے لے کر تقریباً ۱۹۶۵ء تک کی پاکستانی تاریخ کے اہم واقعات، پاک بھارت جنگ اور ملکی و بین الاقوامی سیاست کی کرداروں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اس ناول میں چک مراد نامی گاؤں کی تاریخ پیش کی گئی ہے۔ یہ گاؤں سیال کوٹ کے نزدیک واقع ہے اور وہیں خود ان کا آبائی گاؤں بھڑتھ بھی آباد ہے۔ ناول کے تمام واقعات ناول نگار نے اس کے مرکزی کردار ”ماہی“ (عبدالرحمان) کی زبان سے کہلوائے ہیں۔

ناول کے دیگر کرداروں میں چودھری شرف الدین، بھاسلم، حمید ادا، موج دین، شیمیا، مٹلی، حیات وغیرہ شامل ہیں۔

ہم لائل پور کے چک میں تھے کہ تاشقند کا معاہدہ ہوا۔

یہ معاہدہ روس نے کرایا تھا جو دنیا کی بہت بڑی طاقت ہے۔ گاؤں میں کوئی معاملہ الجھ جائے تو گاؤں سے باہر کے کسی بڑے آدمی کو بلا کر ہم اُسے سر پہنچ بنا لیتے ہیں۔ وہ جو فیصلہ کرے ہم اُسے سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ ہم نے روس کا فیصلہ قبول کر لیا۔ ہم عام لوگوں میں اتنی سیاسی بصیرت کہاں ہے کہ اس معاہدے کی یہ تک پہنچ پاتے۔ صدر پاکستان نے ریڈیو پر جو تقریر کی اس سے معلوم ہوا کہ اس معاہدے سے پاکستان کو بہت فائدہ پہنچے گا اور جموں کشمیر کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ اس جنگ سے ہم نے کیا پایا جو خوشی کا اظہار کریں بلکہ ہم نے جیتی ہوئی جنگ ہار دی۔ میرادل کہہ رہا تھا کہ جنگ سے انسان پاتا کچھ نہیں کھوتا بہت کچھ ہے۔ لوگ گھر سے بے گھر ہوتے ہیں،





ان کی فصلیں اُجڑ جاتی ہیں اور ان کی عترتیں برباد ہو جاتی ہیں۔ نجانے کیوں، میں جس سے بھی یہ بات کرتا، وہ خوش نہ ہوتا۔ یوں لگتا جیسے ہر شخص کے اندر کوئی چیز ٹوٹ گئی ہے اور اس کا حوصلہ پست ہو گیا ہے۔

میں نے بھاسے کہا ”یہ جنگ بھی اسی قسم کی تھی، جس سے ہم اپنے گاؤں میں آئے دن دو چار ہوتے رہتے ہیں۔“
”میں نے نہیں سمجھا مانے!“

”ہم نے چودھری کو قدم قدم پر شکست دی لیکن چودھری کی سیاست ہم سے زوردار تھی۔ ہر شکست کے بعد وہ پھر جیت جاتا۔ وہ ہار کر جیتتا رہا اور ہم جیت کر ہارنے رہے۔ کیوں بھا! ٹھیک ہے نا؟“
”ٹھیک ہے۔“

”اس کی کیا وجہ ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”چودھری کے پاس ہم سے زیادہ زمین ہے۔ اس کا اثر و رسوخ بھی ہم سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس کا بیٹا وکیل ہے۔ اس کا سید پور کے ذیل داروں سے رشتہ ہے۔ ایسی بہت سی باتیں ہیں جن میں ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم ہر جیت پر کچھ ہار جاتے ہیں وہ ہار ہار پر کچھ نہ کچھ جیت لیتا ہے۔“

ہم نے چک کے جن کھیتوں میں گندم بوئی تھی، وہ اب ہرے بھرے نظر آتے تھے کیوں کہ سردیوں میں ایک دو بار شیں بھی ہو گئی تھیں۔ ریڈیو اور اخباروں سے معلوم ہوتا تھا کہ دونوں ملکوں کی فوجیں ایک دوسرے کا علاقہ خالی کر رہی ہیں۔ ہم اپنے علاقے میں جانے کے لیے بے تاب ہو گئے تھے۔ آخر یہ اعلان بھی ہو گیا کہ ان علاقوں کے لوگ واپس جاسکتے ہیں۔ ہم نے سوچا کہ ابھی عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے جانا اچھا نہیں۔ اس لیے میرے باپ نے فیصلہ کیا کہ بھاسلم اور عبدالغفار، چک میں ان کے پاس رہیں اور ہم باپ بیٹا گاؤں جا کر حالات دیکھیں اور جب مناسب ہوا، انھیں بلا لیں۔

سردیوں کا وہ دن نہایت خوش گوار تھا، کیوں کہ دھوپ چمک رہی تھی اور اس میں پچھلے دنوں کی بارش کی نمی بھی رچی ہوئی تھی۔ سیال کوٹ شہر میں چہل پہل لوٹ آئی تھی۔ چھاؤنی میں بھی کچھ کچھ آبادی نظر آ رہی تھی اور سید پور جانے والی پکی سڑک پر یکے اور تانگے چلا شروع ہو گئے تھے۔ ہم تانگے پر بیٹھنے لگے تو اپنے علاقے کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہو گئی۔ اُن میں سے ایک دو آدمی اپنا علاقہ دیکھ آئے تھے۔ انھوں نے کہا: ”چودھری موج دین! وہاں پہنچ کر تم جو کچھ دیکھو گے، اسے دیکھ کر تمہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آئے گا۔“

تانگا چلتا رہا اور ہم اپنے خیالوں میں کھوئے رہے۔ سڑک کے دونوں طرف کی زمینیں آباد تھیں اور شیشم کے درختوں پر بُور آ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی خوش بو پھیلی ہوئی تھی۔ ابھی ہمارا گاؤں تین چار میل کے فاصلے پر تھا کہ یکا یک منظر بدل گیا۔ ہمارے سامنے کی سڑک لُج مُج تھی۔ اس کے دونوں طرف درختوں کے کٹے ہوئے ٹھنڈے نظر آ رہے تھے اور دُور دُور تک کھیتوں میں بھی کوئی درخت نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہاں کھیتوں میں گھاس اُگ آئی تھی۔ بارش کی وجہ سے گھاس تر و تازہ تھی۔ اس کا رنگ نکھر گیا تھا، پر کھیتوں میں سے درخت کٹ جائیں تو گھاس کا





میدان بھی بنجر بنجر سا اور لٹا پٹا سا معلوم ہوتا ہے۔ اب سٹرک کا جو حصہ شروع ہوا تھا اس میں قدم قدم پر گڑھے پڑے ہوئے تھے اور تانگا دھچکے لے رہا تھا۔

ہم بھٹے کے قریب تانگے سے اترے۔ چھ مہینوں کے بعد گاؤں کی دھرتی پر پہلا قدم رکھا تو میں نے سوچا ”اس دھرتی کو دشمن کے پاؤں روند چکے ہیں۔ اس کے سینے پر اُس کے ٹینک چلے تھے۔ یہاں قدم قدم پر گولے گرے تھے اور اس کا سینہ پھٹتا رہا تھا۔ وہ بھی تو اسی کا بیٹا تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟“ مجھے اپنے سوال کا جواب نہ ملا۔

بھٹے پر دشمن نے اپنا مورچا لگایا تھا۔ اس کے نشان صاف نظر آرہے تھے۔ میری کٹیا کا نام و نشان باقی نہیں رہا تھا۔ گاؤں تک جانے والی اینٹوں کی سٹرک پس کر چڑھا ہو چکی تھی اور اس میں گڑھے پڑ چکے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ لگے بجلی کے کھمبے غائب تھے۔ گاؤں تک پہنچتے پہنچتے میرا دل سُنان اور ویران ہو چکا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے شام پڑ چکی ہو حالانکہ ابھی دھوپ تیز تھی اور اس میں ڈھلتے سورج کی زردی بھی نہیں رچی تھی۔ ابھی ہم گاؤں سے سو دو سو قدم کے فاصلے پر تھے کہ اس کی ویرانی نے ہمیں لپک کر آلیا جیسے وہ ہمارا استقبال کر رہی ہو۔ دلوں میں اُتری ہوئی شام اور بھی گہری ہو گئی۔

میرا جی چاہا کہ میں یہیں سے لوٹ جاؤں۔
پر میں نے سوچا ”میں لوٹ کر کہاں جاؤں گا؟“

جو ہڑکا گدا لسا پانی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ بھاسلم کے مکان اور دکان کے ملے نے گلی کے دہانے کو بند کر دیا تھا۔ گلی کے ارد گرد کے مکان منہ پھاڑے ہمیں نکل جانے کو تیار نظر آتے تھے۔ اُن کے دروازے غائب تھے، کھڑکیاں باقی نہیں رہی تھیں، چھتیں موجود نہیں تھیں، کڑیاں، بالے اور شہتیراُتار لیے گئے تھے۔ کچے مکانوں کے کھنڈر تو بہت بھیا نک نظر آرہے تھے۔ یکے مکانوں کی سب اینٹیں، پتا نہیں کون سا جن اٹھا کر لے گیا تھا۔ صرف اُن کی بنیادیں باقی رہ گئی تھیں۔

میرے باپ نے پوچھا: ”ماہنے! ہماری بستی پر عذاب کیوں نازل ہوا؟“

”مولوی صاحب جب گاؤں میں آئیں گے تو اُن سے پوچھیں گے۔“ میں نے جواب دیا۔ گاؤں کے کھنڈر چپ چاپ تھے۔ ہم ان کھنڈروں کے دو وارث، ان کے درمیان کھڑے پتھر بن چکے تھے۔ اس وقت گاؤں کی ٹوٹی پھوٹی مسجد سے اذان کی آواز آئی تو پتھروں میں جان سی پڑ گئی۔ ہم دونوں مسجد کی طرف لپکے۔ مسجد کے صحن میں مولوی صاحب کھڑے اذان دے رہے تھے اور کھنڈروں سے کچھ اور لوگ بھی برآمد ہو رہے تھے۔ ”موج دین تم؟۔۔۔ ماہنے تم کب پہنچے؟“ یہ بابا حیات کی آواز تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر ہمیں باری باری گلے لگایا۔ بابا حیات کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ بھی تھے جو ہم سے بغل گیر ہوئے۔ اس وقت میں رو پڑا۔ بچھڑے لوگوں کے سینوں کی گرمی نے میرے دل کو پگھلا دیا تھا۔ مولوی جی نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا: ”ماہنے! مرد لوگ رویا نہیں کرتے۔“ میں نے سوچا، میں کب رویا، یہ تو دوسروں کے رُکے ہوئے آنسو تھے جو میری آنکھوں سے بہہ نکلے۔ ”آؤ نماز پڑھیں۔ دل کو قرا مل جائے گا۔“ دیگر کی نماز پڑھ کر ہم نے سلام پھیرا تو مولوی صاحب نے ہماری طرف منہ کر کے کہا: ”انسان بڑا سخت دل ہے۔ وہ عذاب سے نہیں ڈرتا اور عذاب اُسے اچانک آلیتا ہے۔ قرآن نے اُجڑی بستیوں کو ہمارے لیے عبرت قرار دیا تھا۔ ہم نے انہیں قصے





کہانیاں سمجھا۔ اب ہم اپنی آنکھوں سے اپنی ہی بستی کا عذاب دیکھ رہے ہیں۔“
 ”یہ عذاب ہم پر کیوں نازل ہوا، مولوی جی؟“ میرے باپ نے پوچھا۔
 ”موج دینا! تم اتنے سیانے بیانے ہو کر بھی مجھ سے پوچھتے ہو کہ عذاب کیوں آیا؟
 ذرا گردن جھکا کر اپنے گریبان میں دیکھو۔ تمہیں وہاں کچھ نظر آتا ہے؟“
 ”میں بہت گناہ گار ہوں۔ یہ میرے گناہوں کی سزا ہے؟“
 ”نہیں، بابا حیات بولا۔

مولوی صاحب نے اس کی طرف حیران ہو کر دیکھا۔

”یہ عذاب نہیں، آزمائش ہے“ بابا حیات نے کہا۔

”نام بدلنے سے کیا فرق پڑتا ہے چودھری حیات!“ مولوی صاحب بولے۔

”مولوی جی! بڑا فرق ہے۔ میں جب گاؤں سے ہو کر اپنے کنویں پر جا رہا تھا تو میرے جی پر بڑا بوجھ تھا۔ میں نے سمجھا، میری دنیا تو میرا گاؤں ہے۔ یہ بستی اگر گئی تو سمجھو ساری دنیا اُڑ گئی۔ اُڑے ہوئے کنویں پر پہنچ کر میں نے اپنے ارد گرد نظر ڈالی۔ مجھے دُور دور تک اُجاڑ بیابان نظر آیا تو میرا دل بکھر گیا۔ کنویں پر ان درختوں کے ٹھنڈے مجھے ٹھنڈے لگے جن کو میں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ مابل ٹوٹ کر کنویں میں گر پڑی تھی۔ ڈھول اور چرکڑ چرمر گئے تھے۔ منڈیروں سے اینٹیں اُکھڑ کر کنویں میں گر گئی تھیں اور میری ڈھاری کی چھت بیٹھ گئی تھی۔ جس علاقے میں درخت نہ رہیں، وہاں سے پنچھی اُڑ جاتے ہیں۔ چار کھونٹ سونے تھے اور کسی چڑی جنور کی آواز نہیں آرہی تھی۔ ڈھاری کے پیچھے بیری کا ایک مریل سا سُوکھا سڑا پودا تھا۔ کبھی اتنے درختوں کے جھنڈ میں میں اُس کے وجود سے بھی واقف نہیں تھا۔ اس کی ایک شاخ پر دو چار ہری بھری پتیاں تھیں اور آج مجھے اپنے علاوہ ساری دنیا میں وہی پودا زندہ نظر آیا۔ پھر اچانک اُس کی شاخ پر ہرے رنگ کی ایک چڑیا آ بیٹھی اور شاخ جھولنے لگی۔ چڑیا نے چوں چوں کی تو میں چونک گیا میں نے اس کی طرف دیکھا اُس نے اپنی گول مٹول آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا: چوں چوں چوں۔ تم آگئے؟ تم آگئے؟ اور مولوی جی! سچ جانو، اس ایک پل کے اندر اندر میرا کنواں آباد ہو گیا۔ ڈھول اور چرکڑ چلنے لگے۔ پانی کی دھار بل کھا کر کھیتوں میں پہنچی تو کھیت جاگ اٹھے۔ ہری بھری فصلیں لہلہانے لگیں۔ میں نے گاؤں کی طرف دیکھا تو وہ یک دم آباد ہو گیا۔ میں نے اس کی کلیوں میں لوگوں کو چلتے پھرتے دیکھا۔“

”چودھری حیات! تم نے جاگتے میں خواب دیکھا۔“ مولوی جی بولے۔

”ایک سچا خواب۔“ میں نے کہا۔

مولوی صاحب نے مجھے پہلے ذرا غصے کی نگاہ سے دیکھا، پھر وہ مسکرانے لگے ”چودھری حیات! تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ عذاب ہوتا تو ہمارا ایمان

گاؤں کے کھنڈروں میں دفن نظر آتا۔ چوں کہ ایمان زندہ ہے اس لیے یہ آزمائش ہے۔ ہم ان شاء اللہ اس آزمائش میں پورے اُتریں گے۔“

(ناول ”میرا گاؤں“ سے انتخاب)





(مشق)

سبق کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں:

1

- i معاہدہ تاشقند کن دولکوں کے درمیان ہوا اور کس ملک نے معاہدہ کرانے میں اہم کردار ادا کیا تھا؟
- ii معاہدہ تاشقند سے کس دیرینہ مسئلے کے حل ہونے کی امید پیدا ہو گئی تھی؟
- iii جنگ بندی کے بعد کھیتوں کی کیا حالت تھی؟
- iv گاؤں کھنڈر کا منظر کیوں پیش کر رہے تھے؟
- v عذاب اور آزمائش میں کیا فرق ہے؟ سبق ”میرا گاؤں“ کے حوالے سے بتائیں۔

درست جواب کا انتخاب کریں:

2

ہم چک میں تھے:

i

(الف) لاہور کے (ب) سیال کوٹ کے (ج) لائل پور کے (د) گوجرانوالہ کے

ہم نے چودھری کو قدم قدم پر شکست دی لیکن چودھری کی سیاست ہم سے تھی:

ii

(الف) طاقت ور (ب) زوردار (ج) نگڑی (د) مختلف

چودھری کا بیٹا ہے:

iii

(الف) ڈاکٹر (ب) وکیل (ج) انجینئر (د) ذیل دار

درختوں کے کٹے ہوئے نظر آ رہے تھے:

iv

(الف) ٹھنڈ (ب) تنے (ج) پھل (د) بازو

ٹوٹ کر کنویں میں گر پڑی تھی:

v

(الف) تال (ب) ماہل (ج) ڈال (د) چرکڑ

سبق ”ہمارا گاؤں“ کا خلاصہ بیان کریں۔

3

اس سبق میں پنجاب کے دیہات کی تہذیب کو پیش کیا گیا ہے اور یہاں کے کردار اپنی رہتل کے مطابق بولی بولتے نظر آتے ہیں۔ آپ اس سبق کا پوری توجہ اور انہماک سے مطالعہ کریں اور مقامی زبان کے الفاظ، جملے اور کلچر کو ظاہر کرنے والی اشیاء کے ناموں کی فہرست تیار کریں۔

4

پاک بھارت جنگ 1965ء کے اسباب اور اثرات کا جائزہ لیں۔ بھارت کے جنگی جنون میں تاحال کمی نہیں آئی، تبصرہ کریں۔

5





درج ذیل اشعار کی روشنی میں ایک نوٹ تحریر کریں کہ ”جنگ کسی مسئلے کا حل نہیں بلکہ یہ خود ایک مسئلہ ہے۔“

6

جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے
جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشے گی
بھوک اور احتیاج کل دے گی

(ساحر لدھیانوی)

دیے گئے الفاظ کی مدد سے جملے مکمل کریں:

7

شیشم بنجر بنجر بیٹا فوجیں عذاب مریل

- i ریڈیو اور اخباروں سے معلوم ہوتا تھا کہ دونوں ملکوں کی _____ علاقہ خالی کر رہی ہیں۔
- ii سڑک کے دونوں طرف کی زمینیں آباد تھیں اور _____ کے درختوں پر بُور آ رہا تھا۔
- iii کھیتوں میں سے درخت کٹ جائیں تو گھاس کا میدان بھی _____ سا اور لُٹا پُٹا سا معلوم ہوتا ہے۔
- iv وہ بھی تو اسی کا _____ تھا، اس نے ایسا کیوں کیا؟
- v انسان بڑا سخت دل ہے وہ _____ سے نہیں ڈرتا۔
- vi ڈھاری کے پیچھے بیری کا ایک _____ سا سوکھا سڑا پودا تھا۔

واحد کے جمع اور جمع کے واحد بنائیں:

8

معاملہ تقاریر حصہ کھنڈرات قصص اثر معاہدہ

اعراب کی مدد سے تعلقہ واضح کریں:

9

استقبال	ہی	شکست	تاشقند
کٹیا	چرکڑ	سمنسان	مناسب

درست یا غلط بیان پر نشان لگائیں:

10

صحیح ☐ غلط ☐

ہم نے امریکا کا فیصلہ قبول کر لیا۔

i

صحیح ☐ غلط ☐

میرادل کہہ رہا تھا کہ جنگ سے انسان پاتا کچھ نہیں، کھوتا بہت کچھ ہے۔

ii





صحیح ☐ غلط ☐

صحیح ☐ غلط ☐

صحیح ☐ غلط ☐

میری جھونپڑی کا نام و نشان باقی نہیں رہا تھا۔

iii

پختہ مکانوں کے کھنڈرات تو بہت بھیا تک نظر آرہے تھے۔

iv

میں جب گاؤں سے ہو کر اپنے کنویں پر جا رہا تھا تو میرے جی پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔

v

ناول

ناول وہ کہانی ہے، جس کی بنیاد حقیقی زندگی پر ہوتی ہے۔ اس میں زندگی کا کوئی خاص دور اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ وہ مخصوص دور اپنے تمام تر رنگوں کے ساتھ آ موجود ہوتا ہے۔

ناول کی صنف، مغرب سے اردو ادب میں متعارف ہوئی۔ ناول سے قبل داستان اور حکایت کا چلن عام تھا۔ ناول نے ہماری زندگی کے سماجی، سیاسی، تاریخی اور نفسیاتی پہلوؤں کو کامیابی سے پیش کیا ہے۔

ناول کے پلاٹ (ترتیب واقعات) کے بہاؤ میں ایک فطری برجستگی پائی جاتی ہے۔

ناول کے کردار، گوشت پوست کے انسان ہوتے ہیں، جن میں خوبیوں کے ساتھ خامیاں بھی موجود ہوتی ہیں۔ ناول میں مثالی کردار کا ہونا خوبی کے بجائے خامی تصور کیا جاتا ہے۔

ناول کے کردار، اپنی شخصیت کا اظہار، اپنے مکالموں سے کرتے ہیں۔ کرداروں کے مکالموں کا اُن کرداروں کے مقام و مرتبہ، تعلیم، پیشہ وغیرہ سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- سبق میں شامل مرکزی کرداروں کی خصوصیات پر نوٹ لکھیں۔
- گاؤں کے منظر کو ڈرائنگ یا کولاژ کی شکل میں پیش کریں۔
- ”شہری اور دیہاتی زندگی میں فرق“ کے موضوع پر مباحثہ کریں۔
- زیر نظر سبق کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے فطرت اور گاؤں کے حسن کو تصویری انداز میں پیش کریں اور خوب صورت رنگ بھریں۔

اشارات تدریس

- طلبہ کو سیّد غلام الثقلین نقوی کی ادبی خدمات کے بارے میں آگاہ کریں۔
- فرن ناول نگاری کی بنیادی باتیں طلبہ کو سکھائیں۔
- تمدنی اور تہذیبی ترقی نے گاؤں کی زندگی پر کیا اثرات مرتب کیے، اس حوالے سے طلبہ کو ماضی و حال کے آئینے میں معلومات فراہم کریں۔





جمیل الدین عالی

(۱۹۲۶ء - ۲۰۱۵ء)

خاندانی نام مرزا جمیل الدین احمد خاں تھا۔ عالی تخلص کرتے تھے اور جمیل الدین عالی کے نام سے معروف ہوئے۔ عالی، نواب علاء الدین احمد خاں علانی (جو مرزا غالب کے عزیز ترین شاگرد اور قریبی رشتے دار تھے) کے پوتے اور نواب سر امیر الدین احمد خاں کے فرزند تھے۔ عالی نے ۱۹۴۴ء میں ایگلو عیبک کالج، دلی سے بی اے کیا۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی آ گئے۔ انھوں نے ۱۹۵۱ء میں سی ایس پی (موجودہ سی ایس ایس) کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۶۶ء تک اعلیٰ سرکاری عہدوں پر کام کیا۔ ۱۹۶۷ء سے ۱۹۸۹ء تک نیشنل بینک آف پاکستان سے وابستہ رہے۔

جمیل الدین عالی روزنامہ ”جنگ“ میں برسوں تک کالم لکھتے رہے۔ ان کا شمار اپنے دور کے معروف کالم نگاروں میں ہوتا تھا۔ وہ پاکستان رائٹرز گلڈ کے بانیوں میں سے تھے اور عرصہ دراز تک انجمن ترقی اردو پاکستان کے اعزازی معتمد رہے۔ علاوہ ازیں اردو سائنس بورڈ لاہور، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد اور مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد کی مجلس انتظامیہ کے رکن بھی رہے۔ سینٹ کے ممبر بھی رہے اور متعدد قومی اعزازات حاصل کیے۔

جمیل الدین عالی کے خاندان میں شعر و سخن کا چرچا تھا۔ وہ بھی اسی رنگ میں رنگے گئے۔ اُن کی شاعری میں دو ہے، گیت اور قومی نغمے زیادہ مقبول ہیں۔ پاکستانیت عالی صاحب کا امتیاز بھی ہے اور افتخار بھی۔ اُن کے شعری مجموعوں میں ”غزلیں، دو ہے، گیت“، ”جیوے جیوے پاکستان“، ”انسان“ اور ”اے مرے دشت سخن“ شامل ہیں۔ نثر میں ”دنیا مرے آگے“، ”تماشا مرے آگے“ اور ”صدا کر چلے“ معروف ہیں۔





بابل کے کھنڈر

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو ”بابل“ کی قدیم تہذیب کی تاریخ، ثقافت اور اہمیت سے روشناس کرانا
- جمیل الذین عالی کے ادبی اسلوب اور مشاہدات کو سمجھنے میں رہ نمائی فراہم کرنا
- طلبہ میں تاریخی، سیاسی مقامات اور ثقافتی ورثے کی قدر و قیمت کا شعور اور دل چسپی پیدا کرنا

کُونے سے ہم بابل کی طرف چلے۔ ایک کچی سڑک پر کار تیزی سے مڑنے لگی۔ پتا نہیں بابل کونے سے کتنی دور ہے۔ موٹر سے کوئی دو گھنٹے کا راستہ ہوگا۔ بغداد سے اس کا فاصلہ کوئی پینتالیس پچاس میل ہے۔ میر صاحب! میں نے کہا: ”یہ بابل جانے کا کیا طریقہ ہے؟ ارے بھائی! تھہ ہوتے جنھیں ساز و سامان سے آراستہ سفید گھوڑے بڑی شان کے ساتھ کھینچتے ہوئے چلتے۔ ایک دو منزل پڑاؤ ہوتا، راتوں کو مشعلیں جلتیں، شعرا اپنے رزمیہ سناتے، مُغنی تانیں لگاتے اور صبح پھر نفیر بولے اور بوق و قرنا کی گونج میں سفر جاری ہو جاتا۔“ ٹھیک کہتے ہو میرے بھائی، میر خلیل الرحمن ایک آہ بھر کر بولے ”مگر افسوس کہ میں سارے دن راتھ میں کھڑے رہنے کی بجائے بیٹھ کر ہی مسافت طے کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ آج کل دس پانچ رتھ بنانے کا آرڈر بھی دیا جائے تو کوئی کمپنی تیار نہیں ہوگی اور سفید گھوڑے تو بالکل نایاب ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ وہاں سیر کرو گے یا ان کھنڈروں پر کوئی نئی سلطنت قائم کرنے کی سوچ رہے ہو؟“

بابل۔۔۔ جس کی قدامت اور عظمت کے بارے میں بے شمار کہانیاں، روایتیں، اندازے اور انکشافات کتاب مقدس کے اوراق سے لے کر ہیرودوٹس یونانی سیاح جیسے عینی گواہوں اور بیسویں صدی کے جرمن ماہرین آثار قدیمہ کی کتابوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔

بابل! یہاں وہ کنواں تھا جس میں دو فرشتوں، ہاروت اور ماروت کو کسی گناہ کی پاداش میں الٹا لٹکا دیا گیا تھا۔ اس کی کہانی یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ان فرشتوں کو اہل بابل کی عیاشیوں اور بد اعمالیوں کے انسپکشن یعنی معائنے کے لیے بھیجا تھا، مگر بعد میں وہ خود اسی چکر میں پھنس گئے جیسے آج بھی بہت سے محکموں کے انسپکٹر پھنس جاتے ہیں۔ بابل جو، انسانی تاریخ کے اولین بابوں میں شمار ہوتا ہے۔ جہاں اٹھارھویں صدی قبل مسیح یعنی اب سے تین ہزار سات سو برس پہلے شہنشاہ حمورابی نے سوسائٹی کے لیے وہ دستور اور قوانین بنائے تھے، جن کے سبب وہ حمورابی قانون دہندہ کہلاتا ہے۔ حمورابی کی قانون سازی معاشرتی حقوق و فرائض کی پیچ در پیچ عمارت کی پہلی بنیادوں میں شامل ہے۔ تین ہزار سات سو برس پہلے بہت سے ملک تہذیب تو کیا انسانی آبادی سے بھی محروم تھے۔

مگر جو بابل ہم دیکھ رہے ہیں وہ بخت نصر کا بنایا ہوا بابل ہے کیوں کہ حمورابی کا بابل سوٹھویں صدی قبل مسیح میں بیرونی حملہ آوروں نے بڑی حد تک تباہ کر دیا تھا اور پھر کمزور سلطنتوں کے عروج و زوال میں اسے صدیوں تک اپنی عظمت رفتہ واپس نہ مل سکی، یہاں تک کہ ساتویں صدی قبل مسیح کے طاقت ور شہنشاہ، بخت نصر نے اسے دوبارہ باعروج پر پہنچا دیا۔ بخت نصر نے چوالیس برس حکومت کی اور اس کے زمانے





میں وجہ وفات کے درمیان اس اونچی فصیلوں والے شہر سے وہ تہذیب اُبھری جس کی یادیں اور یادگاریں یورپ و امریکہ کی شان و شوکت سے آنکھیں لڑاتی ہیں۔

بخت نصر دہریہ تھا یعنی خدا یا دیوتاؤں کو نہیں مانتا تھا اور اسی لیے اپنی حوصلہ مندی اور طاقت کے باوجود اپنی قوم میں نامقبول ہو گیا۔ شاید یہی سبب تھا کہ اس کے بعد بادشاہی اس کے خاندان میں قائم نہ رہ سکی اور اس کی موت کے بعد بہت جلد شہنشاہ ایران سائرس نے بابل پر قبضہ کر لیا۔

ہاں یہ وہی بابل ہے جہاں ہندوستان سے واپسی پر سکندر اعظم نے مسلسل تین دن، تین رات جشن منایا اور تین دن بیمار رہ کر مر گیا۔ اب وہ بابل کھنڈر ہے۔ آثار قدیمہ کا ایک گوشہ ہے اور ہم بیسویں صدی کے کمزور، بے طاقت سیاح ان محلات کے ان حصوں میں گھوم رہے ہیں جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ یہاں کوئی پہرے دار نہیں جو ہمیں ان عشرت خانوں میں داخل ہونے سے روک دے۔ کوئی محتسب نہیں جو ہماری گفت گو پر، ہماری تنقید پر پابندی لگا سکے۔

مجھے بابل کے کھنڈروں میں گھومتے ہوئے ایک عجیب سی آزادی اور خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ ہمارا گائیڈ ایک مفلوک الحال عراقی ہے، مگر وہ ایک صحت مند اور ہنس مکھ آدمی ہے، انگریزی صاف اور تیزی سے بولتا ہے۔

”ہاں بیٹا بخت نصر!“ وہ چوک میں کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے۔ ”اب ہم سے بات کرو۔ میں روز غیر ملکی سیاحوں کو تمہارے محلات کی سیر کراتا ہوں اور تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم اس ملک کے سب سے زیادہ باجروت بادشاہ تھے، تمہاری آنکھ کے ایک اشارے پر موت اور دوسرے پر زندگی رقص کرتی تھی۔ اب بولو بیٹا! میں تمہارے دار السلطنت کے دل میں کھڑا ہو کر تمہیں القاب و آداب کے بغیر پکار رہا ہوں۔ کہاں ہیں تمہاری سوار اور پیادہ فوجیں؟ کہاں ہیں تمہارے خفیہ اور باوردی محتسب؟ تم ایک مطلق العنان شہنشاہ تھے، مگر تم مر گئے اور ختم ہو گئے اور تمہارا جاہ و جلال اور بدبہ تمہارے ساتھ ختم ہو گیا اور میں ایک چھوٹا آدمی ہوں، مگر میں زندہ ہوں اور زندہ رہوں گا۔ میں عامی ہوں۔ عام آدمی۔ تاریخ تم پر ہنستی اور مجھ سے شرماتی ہے۔“

بخت نصر کوئی جواب نہیں دیتا۔ کسی سمت سے کوئی تیر نہیں چلتا جو اس کے سینے میں بیوست ہو جائے، کوئی تلوار، کوئی خنجر نہیں جو اس کی زبان قلم کر دے۔ یہ عراقی گائیڈ بخوبی الحواس سہی مگر اس کی زبان وقت کی زبان ہے جو کٹ نہیں سکتی۔ آج وہ شہنشاہ جس کے نام سے عراق، شام اور ایران کا نپتے تھے ایک معمولی سے گستاخ گائیڈ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ہاں موت سب کو آتی ہے، مگر وہ اچھی طرح یاد کیے جاتے ہیں جنہوں نے کچھ کام دوسروں کے لیے بھی کیا ہو۔ کل میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ بھی دیکھ آیا ہوں۔ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار پر رویا اور روتا رہا اور بخت نصر کے محل پر مجھے ہنسی آتی ہے اور شاید یہ ہنسی عبرت کا ایک ذریعہ اظہار ہے۔

اس مقام کا سب سے زیادہ پُر اثر منظر بابِ عشتار کا ہے۔ عشتار گیٹ یا اُردو کے چٹارے میں عشتاری دروازہ جو سرنی مائل پٹی اینٹوں کا بنا ہوا کئی گز اونچا دروازہ ہے۔ یہ گویا وسط شہر میں ایک یادگار عمارت تھی جس کے بیچ میں سے ایک شاہراہ جلوس کوئی نصف میل تک





سیدھی چلی جاتی ہے۔ دروازہ عشتار دیوی سے منسوب ہے۔ یہ دروازہ اژدہوں اور جوان بیلوں کی تصویروں سے مزین ہے جو اینٹوں پر کھودی گئی ہیں۔ یہاں سے جو شاہراہ جلوس سامنے جاتی ہے اس کے دونوں طرف کی دیواروں پر برشیروں کے ایک سو بیس نقوش کھود دیے گئے تھے۔ خود باب عشتار پر ایک اندازے کے مطابق ساڑھے پانچ سو اژدہوں اور بیلوں کے نقوش بنائے گئے تھے۔ دروازے کے اوپر اُس حصے پر جس کے قریب میں کھڑا تھا، رنگ دار چمکیلی اینٹیں چسپاں ہیں۔ ان اینٹوں پر رنگ کی تہ چڑھائی گئی تھی جو پونے تین ہزار برس گزر جانے پر بھی اسی طرح قائم ہے۔ تہذیبِ بابل پر کام کرنے والوں نے سلطنتِ بابل و نینوا کے سیکڑوں آثار اُن گنت کتابوں میں مذکور کیے ہیں جو، جانوروں اور انسان نما جانوروں کی تصویروں اور وضاحتی علامتوں سے پُر ہیں۔ یہ علامتیں طرح طرح کے خوف و عزائم کی کہانیاں سناتی ہیں۔

باب عشتار کے جنوب مغرب میں شاہی محلات کا علاقہ ہے جو تیرہ ایکڑ زمین میں پھیلا ہوا تھا۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں سے بابل کی دولت و شہرت کے غلغلے اس طرح اٹھے کہ ان کے ارتعاش آج بھی ہمارے ادب میں صاف سنائی دیتے ہیں۔ اس علاقے میں عمارتوں کے پانچ بڑے بڑے سلسلے تھے، جن میں سے وسطی عمارت، ایک بہت بڑا دربار ہال یا دیوان تھی، جس میں نیلی چمک دار اینٹوں کا کام تھا۔ اس وسیع عمارت کی بوجھل چھت بنانے والے انجینئرنگ کے ترقی یافتہ اصولوں سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔ شاید یہی وہ دیوان یا دربار ہے، جس کی دیوار پر عین جشنِ ضیافت کے وقت ایک غیبی ہاتھ نے چمکتے ہوئے لفظوں میں زوالِ بابل کی پیشین گوئی لکھ دی تھی۔ اس روایت نے بعد میں بہت سی زبانوں کو اس مضمون سے ملتے جلتے محاورے دیے ہیں۔ اس دربار ہال کی دیوار پر زوالِ بابل کی غیبی پیشین گوئی کا نمودار ہونا شاید صرف ایک کہانی ہو، مگر یہ کہانی وقت اور تاریخ کی سب سے زیادہ نمایاں اور مسلسل حقیقت ہے۔ ہر دور میں یہی ہوتا ہے کہ پہلے وقت کے ہاتھ نسلوں اور قوموں کے سامنے دیوار پر تنبیہی تحریریں لکھتے ہیں اور اگر وہ راستی پر نہ آجائیں تو ان کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ کمال یہ ہے کہ یہ تحریریں، ہزار ہا برس سے لکھی جا رہی ہیں اور انھیں دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں مگر پھر بھی کچھ نہیں سمجھتے۔

”کیا یہ بابل عظیم نہیں ہے جسے میں نے اپنی شاہانہ نمود کے لیے بنایا ہے؟“ یہ بخت نصر کی تحریر ہے جسے جرمن ماہرین نے بالآخر

پڑھ لیا ہے۔

ایک اور تحریر بھی وقت کے دھندلکوں میں سے اُبھرتی ہے جسے حضرت عیسیٰؑ پیغمبر علیہ السلام کا کلام کہا جاتا ہے:

”اور وہاں صحراؤں کے درندے گھومیں گے۔ اور ان کے مکان خوف ناک مخلوقات سے

بھر جائیں گے، ان گھروں کو اُلو اپنا مسکن بنائیں گے اور چرخ وہاں رقص کریں گے۔“

ہاں یہ اس شہر کا حال ہے جو دو دریاؤں کے بیچ میں ایک بلندی پر واقع ہے اور جس کے گرد درتہ درتہ فصلیں اور دیوار اندر دیوار محلات اور مندر تھے، تاکہ حملہ آوروں کی مزاحمت قدم قدم پر کی جاسکے۔ یہ شہر تقریباً ڈھائی ہزار برس قبل مسیح سے لے کر سکندر اعظم کے زمانے تک پوری ہم عصر اور بعد کی دنیا کے لیے ایک مرقعِ حیرت بنا رہا۔ جہاں اکادی رسم الخط اور طرزِ تحریر پیدا ہوا، جہاں دنیا کی پہلی انسائیکلو پیڈیا ترتیب دی گئی۔ جہاں چھتوں پر باغ تھے۔ ”ہینگنگ گارڈن“ جہاں سڑکیں ایک دوسرے کو سیدھی اس طرح کاٹی تھیں جیسے نیو یارک کی سڑکیں ایک





دوسرے کو قطع کرتی ہوئی چلتی ہیں۔ اُس وقت یورپ اور امریکا میں بسنے والی قومیں شاید کھالیں پہن کر ستر پوشی کرتی ہوں گی، جب بابل کے صنعت کار ریشم و سنجاہ کے ملبوسات تیار کر کے ہندوستان اور مصر بھیجتے تھے۔ ایسے وقت میں اپنے موہن جوڈارو کی یاد آ کر ایک طرح اپنے وطن کی قدامت و عظمت کا احساس پیدا کرتی ہے۔ موہن جوڈارو کے انکشافات مکمل ہونے پر شاید بابل و نینوا کی تہذیبیں نو دہائیوں کی طرح لگیں گی مگر موہن جوڈارو پر ابھی تک لاعلمی اور قیاس کی کہر چھائی ہوئی ہے۔

تو یہ ہے بابل۔ سُرخ پختہ اینٹوں اور نیلی اور زرد چمک دار اینٹوں کا ویرانہ۔ بے شمار دیوی دیوتاؤں کا معبد۔ حمورابی اور بخت نصر اور سکندر اور سائرس کا بابل۔ جب اس کی کھدائی کا پہلا مرحلہ ختم ہو گیا اور جرمن ماہرین، اینٹیں اور مجسمے کھلے چھوڑ گئے تو قریب کے گاؤں حلہ کے باشندوں نے بے شمار مسالا اپنے چھوٹے چھوٹے گھر اور سڑکیں بنانے میں استعمال کیا۔ عشتاری دروازے کا بہت سا مال جرمن ماہرین لے گئے تھے جو انھوں نے برلن کے عجائب خانے میں استعمال کیا۔ اس عجائب خانے پر بھی جنگ عظیم میں بم باری ہوئی اور وہ تقریباً تباہ ہو گیا۔ ہاں یہ بابل ہے جو کسی مؤرخ یا مبصر یا اہل دل کے الفاظ میں پہلے شہر عظیم تھا اور اب صحرائے عظیم ہو کر رہ گیا ہے۔ اے آنکھوں والو! دیکھو اور عبرت پکڑو۔

کھنڈروں کے ساتھ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جو عجائب خانے کا کام دیتا ہے۔ یہاں قدیم تحریروں، روایتوں، نقوش اور موجودہ آثار کی بنا پر قدیم شہر کا ایک نمونہ تیار کیا گیا ہے جسے دیکھنے سے عجیب عجیب اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ شہر کی ترتیب، وہ رکھ رکھاؤ، وہ دمدموں اور فصیلوں کی ترتیب اور مضبوطی۔ جب اس کی مضبوط سڑکوں پر شہ سوار گھوڑے گداتے ہوں گے تو کیا کسی کو خیال آتا ہوگا کہ ایک دن ہم اور ہم جیسے بے شمار سیاح شہر سے متعلق عجائب خانوں میں حیرت سے اس کا ماؤل دیکھا کریں گے۔

(دنیا مرے آگے)

مشق

سبق ”بابل کے کھنڈر“ کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

i بابل شہر کی قدامت کے بارے میں کیا کچھ بیان ہوا ہے؟

ii بابل کے کنوئیں میں دو فرشتوں کو کیوں لٹکا یا گیا تھا؟

iii بغداد اور بابل کے درمیان کتنا فاصلہ بنتا ہے؟

iv حمورابی کون تھا اور اس کا کارنامہ کیا سمجھا جاتا ہے؟

v بابل کے کوئی دو حیرت انگیز پہلو بیان کریں۔





سائرس کا تعلق کس ملک سے تھا؟

vi

سلطنت بابل و نینوا کی کھدائی کے دوران کن چیزوں کے آثار ملے ہیں؟

vii

سبق ”بابل کے کھنڈر“ جمیل الدین عآلی کی کس کتاب سے لیا گیا ہے؟

viii

درست جوابات کی نشان دہی کریں:

2

بابل دو دریاؤں کے درمیان واقع ہے:

i

(الف) دجلہ اور بغداد کے (ب) فرات اور کوفہ کے (ج) دجلہ اور فرات کے (د) کوفہ اور بغداد کے

شہابی محلات کا علاقہ پھیلا ہوا تھا:

ii

(الف) دس ایکڑ زمین میں (ب) بارہ ایکڑ زمین میں (ج) تیرہ ایکڑ زمین میں (د) پندرہ ایکڑ زمین میں

عراقی گائیڈ تھا:

iii

(الف) بیمار (ب) سنجیدہ (ج) کمزور (د) مخبوط الحواس

بخت نصر تھا:

iv

(الف) یہودی (ب) مسیحی (ج) زرتشتی (د) دہریہ

بابل میں سکندر اعظم نے جشن منایا:

v

(الف) تین دن (ب) تین راتیں (ج) تین دن، تین راتیں (د) پانچ دن، پانچ راتیں

ہیروڈوٹس تھا:

vi

(الف) رومی سیاح (ب) عراقی سیاح (ج) یونانی سیاح (د) جرمن سیاح

بابل کو پھر سے بام عروج پر پہنچایا:

vii

(الف) بیرونی حملہ آوروں نے (ب) سکندر اعظم نے (ج) حمورابی نے (د) بخت نصر نے

سبق ”بابل کے کھنڈر“ کے اہم نکات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے الفاظ میں خلاصہ تحریر کریں۔

3

اردو کے پانچ مشہور سفر ناموں اور سفر نامہ نگاروں کے نام لکھیں۔

4

اگر آپ نے کوئی یادگار سفر کیا ہو تو اس کی روداد دل چسپ انداز میں بیان کریں۔

5

سبق میں شامل درج ذیل تراکیب کے معانی لکھیں اور اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں:

6

جاہ و جلال شاہانہ نمود مرقع حیرت تہذیب بابل بام عروج

مطلق العنان عروج و زوال دجلہ و فرات بوق و قرنا طرز تحریر





درج ذیل سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے نئے الفاظ بنائیں:

7

سابقہ	الفاظ	سابقہ	الفاظ
غیر	_____	خود	_____
بد	_____	با	_____
آن	_____	لا	_____

الفاظ	لاحقہ	الفاظ	لاحقہ
گار	_____	دار	_____
ستان	_____	پن	_____
کش	_____	شدہ	_____

8 ہاروت اور ماروت کا قصہ قرآن حکیم کی سورۃ البقرہ (آیت ۱۰۲) میں مذکور ہے۔ مذکورہ آیت کا ترجمہ اور تفسیر پڑھیں۔

9 سبق ”بابل کے کھنڈر“ میں متعدد تاریخی شخصیات اور مقامات کا ذکر ہوا ہے، آپ ان کی فہرست تیار کریں۔ نیز تاریخ کی مستند کتب اور انسائیکلو پیڈیا سے معلومات اخذ کر کے لکھیں۔

10 سبق ”بابل کے کھنڈر“ میں جن مقامات پہ مکالمے اور منظر نگاری کی صورت پیدا ہوئی ہے، ان مقامات کی نشان دہی کریں۔

11 سبق ”بابل کے کھنڈر“ کے متن سے عبرت اور اخلاقیات کے کون سے مضامین پیدا ہوتے ہیں؟ کسی ایک کو تفصیل سے بیان کریں۔

12 مندرجہ ذیل پیرا گراف کی تشریح کریں اور خط کشیدہ الفاظ کے معانی بھی لکھیں۔

بخت نصر کوئی جواب نہیں دیتا۔ کسی سمت سے کوئی تیر نہیں چلتا جو اس کے سینے میں بیوست ہو جائے، کوئی تلوار، کوئی خنجر نہیں جو اس کی زبان قلم کر دے۔ یہ عراقی گائیڈ محبوط الحواس سہی، مگر اس کی زبان وقت کی زبان ہے جو کٹ نہیں سکتی۔ آج وہ شہنشاہ جس کے نام سے عراق، شام اور ایران کا پتہ تھے ایک معمولی سے گستاخ گائیڈ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔





13 درج ذیل پیرا گراف کا بغور مطالعہ کریں اور دیے گئے سوالات کے جوابات تحریر کریں:

آج کی دنیا میں سائنس و ٹیکنالوجی نے انسانی زندگی کو مکمل طور پر بدل کر رکھ دیا ہے۔ سائنسی ایجادات، مصنوعی ذہانت (AI) اور شعبہ طب میں ہونے والی نئی دریافتوں کی وجہ سے روزمرہ کے مسائل کو حل کرنے میں حیران کن حد تک مدد اور آسانی حاصل ہو رہی ہے۔ اسی طرح خلائی تحقیق سے کائنات کے سرستہ رازوں کو جاننے کے نئے درواہ ہوئے ہیں۔ ان تمام فوائد کے باوجود ٹیکنالوجی کے اندھا دھند استعمال کی وجہ سے ماحولیات اور انسانی صحت پر منفی اثرات بھی سامنے آئے ہیں۔

سوالات

- ۱۔ سائنس و ٹیکنالوجی نے انسانی زندگی پر کیا اثرات ڈالے ہیں؟
- ۲۔ مصنوعی ذہانت روزمرہ کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کس طرح مدد و معاون ثابت ہو رہی ہے؟
- ۳۔ ٹیکنالوجی کے منفی اثرات کو کس طرح کم کیا جاسکتا ہے؟
- ۴۔ کائنات کے سرستہ رازوں کو جاننے کے لیے خلائی تحقیق کا کیا کردار ہے؟

آپ بیتی

کسی شخص کا اپنی زندگی کے اہم واقعات کو دل چسپ انداز میں خود تحریر کرنا، آپ بیتی کہلاتا ہے۔ ادبی، سیاسی، دینی، صحافتی شخصیات نے آپ بیتیاں لکھی ہیں۔ آپ بیتی، جس بھی ادیب کی ہوتی ہے، ہمیشہ اس ادیب کی اپنی لکھی ہوتی ہے۔ کسی کی آپ بیتی کوئی دوسرا شخص نہیں لکھتا۔ آپ بیتی شخصیت کو جاننے کا ایک مؤثر اور مستند ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اردو کی چند اہم آپ بیتیوں میں شہاب نامہ، زرگزشت، مٹی کا دیا، گردِ راہ اور یادوں کی برات وغیرہ شامل ہیں۔

سفر نامہ

وہ تحریر، جس میں مصنف کسی بھی سفر کے دوران، اپنے مشاہدات اور پیش آنے والے واقعات کو دل چسپ انداز میں پیش کرتا ہے، سفر نامہ کی صنف کہلاتی ہے۔ اردو کے قدیم اور جدید سفر ناموں میں کافی فرق ہے۔ ماضی میں صرف جغرافیائی اور تاریخی باتیں سفر ناموں کی زینت ہوا کرتی تھیں، لیکن پھر سفر نامے نے کروٹ لی اور اب سفر ناموں میں مختلف اصناف ادب کے عناصر شامل ہو گئے ہیں۔ اہم سفر ناموں میں عجائباتِ فرنگ، نظر نامہ، دنیا گول ہے، دھنک پر قدم، لبیک اور نکلے تری تلاش میں، شامل ہیں۔

یادداشت

کسی طے شدہ معاملے، معاہدے پر عمل درآمد اور یاد دہانی کی غرض سے خاص خاص نکات پر مبنی تحریر ”یادداشت“ کہلاتی ہے۔

معلوماتی رپورٹ

وہ تحریر جو کسی خاص حوالے سے دوسروں تک معلومات پہنچانے کے لیے قلم بند کی جائے، معلوماتی رپورٹ کہلاتی ہے۔





سرگرمیاں برائے طلبہ

- بابل کی تہذیب کے زوال کی داستان پر بحث کریں۔
- بابل کے کھنڈرات اور بابل کے معلق باغات (دنیا کے سات قدیم عجائبات میں شامل ہیں) پر مختصر تحقیقی مضمون لکھیں۔
- کسی قریبی عجائب گھر یا تاریخی مقام کا دورہ کریں جہاں قدیم تہذیبوں کے آثار موجود ہوں۔
- انٹرنیٹ پر دنیا کے سات مشہور عجائبات پر ایک دستاویزی فلم دیکھیں۔ بابل کے معلق باغات (Hanging Gardens) میں خصوصی دل چسپی لیں۔

اشارات تدریس

- سبق پڑھاتے وقت بابل کی جغرافیائی اہمیت (جلہ و فُرات کے درمیان) اور مذہبی روایات کو واضح کریں۔
- جمیل الدین جانی کے سفر نامہ ”دنیا مرے آگے“ کا مکمل تعارف کروائیں۔
- تاریخی نقشے، تصاویر اور مفید دستاویزی فلموں کے کلیپس طلبہ کو دکھائیں۔



بابل کے معلق باغات (Hanging Gardens) — ایک خیالی تصویر





میرزا ادیب

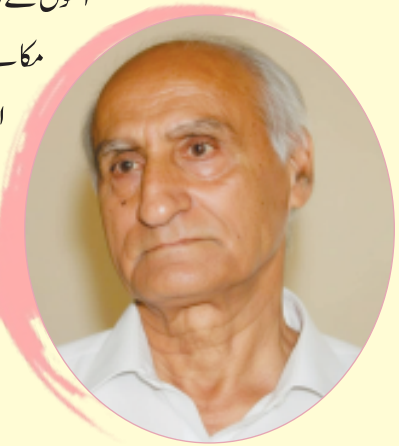
(۱۹۱۳ء-۱۹۹۹ء)

میرزا ادیب کا اصل نام دلاور حسین علی اور قلمی نام میرزا ادیب ہے۔ ۱۹۳۱ء میں اسلامیہ ہائی سکول بھائی گیٹ لاہور سے میٹرک کرنے کے بعد انھوں نے ۱۹۳۵ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے آنرز کیا۔ میرزا ادیب کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۳۶ء سے ہوا۔ اس زمانے میں اسلامیہ کالج لاہور میں بہت سی علمی و ادبی شخصیات موجود تھیں جنھوں نے میرزا ادیب کے ادبی ذوق کو پروان چڑھانے میں معاونت کی۔ میرزا ادیب نے ابتدا میں شعر و شاعری کی طرف توجہ دی مگر جلد ہی اسے ترک کر کے افسانہ اور ڈراما نگاری کی طرف آ گئے۔ انھوں نے ۱۹۳۵ء میں رسالہ ”محب لطف“ کی ادارت سنبھالی اور طویل عرصے تک اس سے وابستہ رہے، پھر ریڈیو پاکستان میں ملازم ہو گئے۔

میرزا ادیب افسانہ نگاری اور ایک بانی ریڈیائی ڈراما نگاری میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد اردو ادب میں ایک بانی ڈرامے کو جو فروغ ملا، اس میں میرزا ادیب نے اہم کردار ادا کیا۔ وہ معاشرے کے نبض شناس تھے، اس لیے ان کے ڈراموں کے موضوعات عام اور روزمرہ زندگی سے متعلق ہیں۔ اپنے معاشرے کی انسانی خواہشات اور توقعات کو میرزا ادیب نے خاص اہمیت دی ہے۔

میرزا ادیب نے کردار نگاری کے سلسلے میں بھی گہرے مشاہدے، انمول بصیرت اور فن کارانہ مہارت سے کام لیا ہے۔ انھوں نے زندگی کے عام کرداروں کو افسانوی اور ڈرامائی کرداروں کا درجہ دیا ہے۔ ان کے مکالمے نہایت برجستہ، مختصر اور برخل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ڈراموں اور افسانوں میں قاری یا ناظر کی دل چسپی شروع سے آخر تک قائم رہتی ہے جو کسی کامیاب ڈراما نگار اور افسانہ نگار کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ ان کی اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

”آنسو اور ستارے“، ”لہو اور قالین“، ”ستون“، ”فصلِ شب“، ”خاک نشیں“، ”پس پردہ“ اور ”شیشے کی دیوار“۔ ان کے علاوہ ”صحرا نور کے خطوط“، ”صحرا نور کے رومان“ اور ”مٹی کا دیا“ (آپ بیتی) ان کی زندہ رہنے والی کتابیں ہیں۔





اولڈ اتچ ہوم

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو افسانے کے موضوع یعنی معاشرے میں بزرگوں کی بے قدری اور تنہائی سے روشناس کرانا
- سماجی رویوں، اخلاقی قدروں اور خاندانی نظام کے زوال اور انہدام پر تنقیدی نظر ڈالنا
- افسانہ کے اسلوب، بیانیہ تکنیک اور علامتی معنویت کو سمجھنا
- طلبہ کو نثری صنف خاکہ نگاری، افسانہ نگاری اور ڈرامائی، تشابہ الفاظ سے روشناس کرنا

آخری سیڑھی اور اُس کے کمرے کے درمیان کم و بیش دس گز کا فاصلہ حائل تھا اور یہ فاصلہ اُس کے لیے ایک بڑی آزمائش کا مرحلہ بن جاتا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند ہوتا تھا تو اُسے کسی قدر اطمینان ہو جاتا تھا کہ اُس کے پوتے اور پوتیوں کے حملے سے اس کا کمرہ محفوظ ہے مگر جب اس کے دونوں پٹ کھلے ہوتے تھے اور دروازے کے باہر کمرے کی کوئی نہ کوئی چیز پڑی ہوتی تھی تو اس کی پیشانی شکن آلود ہو جاتی تھی اور چہرے کی بوڑھی رگیں زیادہ نمایاں ہو کر اس کی کرب انگیز دلی کیفیت کا اظہار کرنے لگتی تھیں۔

اُس وقت کمرے کے دونوں پٹ کھلے تھے۔

”او میرے خدا یا!“ اُس کے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا اور کمرے کے اندر چلا گیا۔

جس غارت گری کا اُس نے اندازہ لگایا تھا وہ صورت حال سے کچھ کم تر ہی تھی۔ اس روز، محمود اور اس کی دونوں بہنوں نے معمول سے زیادہ ہی تباہی مچادی تھی۔

پلنگ کی چادر، جسے اس کی بہو نے صرف ایک روز پہلے بدلاتھا، اس پر جا بجا کھیاں بھینھنا رہی تھیں۔ انھوں نے پلنگ پر بیٹھ کر کوئی میٹھی چیز کھائی کم اور گرائی زیادہ تھی اور ہر طرف بکھرے ہوئے ریزوں نے کھیلوں کو دعوت عام دے دی تھی۔

میز پر کتابیں وہ بڑی ترتیب کے ساتھ رکھا کرتا تھا۔ اُسے اپنی کتابوں سے بڑی محبت تھی اور انھی کا مطالعہ کر کے اپنا وقت بٹاتا تھا۔ یہ ساری کتابیں منتشر حالت میں پڑی تھیں۔

قالین پر اُگال دان اُلٹا پڑا تھا۔ حُفّہ، کمرے کے ایک گوشے میں رکھا ہوتا تھا۔ وہ کمرے کے عین وسط میں اس عالم بچپاری میں پڑا تھا کہ اُس کی چلم غائب تھی اور چلم کے کونے ادھر ادھر دکھائی دے رہے تھے۔

پنشن کے لیے گھر سے جانے سے پہلے، وہ دھوبی سے دُھلے ہوئے کپڑے لا کر کرسی کے اوپر رکھ گیا تھا کہ واپس آ کر انھیں الماری کے خانے میں رکھ دے گا۔ ان میں سے کوٹ نکل کر پلنگ پر پڑا تھا۔ محمود نے ضرور اسے پہن کر دادا جان بننے کی کوشش کی ہوگی۔

ایسے میں اس کا صبر و قرار جواب دے جاتا تھا اور وہ کھڑکی سے منہ باہر نکال کر اپنی بہو کو بڑے غصے سے مخاطب کرتا تھا اور اس روز بھی





اُس نے بھی کیا تھا۔

”زینب! تم اپنے بچوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتیں، اوپر آ کر دیکھو تو، کیا حالت کر دی ہے میرے کمرے کی!“

بچے اپنے دادا جان کو گھر کے اندر آتے دیکھ کر چپکے سے کھسک جاتے تھے، اس لیے زینب انھیں بے تحاشا بددعا میں دینے کے سوا اور کیا کر سکتی تھی۔

”میں کیا کروں باباجی! آپ انھیں کیوں نہیں سمجھا لیتے؟“

اپنی بہو کا یہ رویہ اس کے لیے حیران کن تھا۔ وہ تو سُسر کی غصیلی آواز سنتے ہی دروازے کی طرف بھاگتی تھی اور محمود یا اس کی کوئی بہن ہاتھ آجاتی تھی تو مار مار کر اس کا پچھم نکال دیتی تھی مگر اُس روز اُس نے ایک فقرہ کہہ کر ہی اپنی طرف سے معاملہ ختم کر دیا تھا۔

ماں بچوں کو بددعا نہیں دیتی تھی تو اس کا غصہ بھی ذرا دب جاتا تھا لیکن اس روز اس نے جس ردِ عمل کا اظہار کیا تھا، وہ اُسے بڑا غیر مناسب لگا۔ وہ کھڑکی سے پرے ہٹ گیا۔ اُس کی پیشانی زیادہ شکن آلود ہو گئی تھی اور سانس شدید غصے کی حالت میں تیزی سے آنے جانے لگا تھا۔

”کیا اس نے بچوں کو شہ دی ہے؟“ اُس نے خود سے سوال کیا اور وہ نیچے آ گیا۔

زینب، نلکے کے نیچے کپڑے دھو رہی تھی۔ ”زینب! تم نے ان بدتمیزوں کو اتنی کھلی چھٹی کیوں دے رکھی ہے؟ انھیں کمرے میں جانے ہی کیوں دیتی ہو؟ تمہیں خبر نہیں کہ میرے کمرے کے اندر جا کر وہ کیا کرتے ہیں؟“

زینب نے ہاتھ میں ڈنڈا اٹھا رکھا تھا جسے وہ کپڑوں پر مار رہی تھی۔ اپنے سُسر کے الفاظ سن کر اس نے بے دھیانی میں ڈنڈا، نلکے پر زور سے مار دیا اور چمک کر بولی: ”یہ میری کم بخت اولاد ہے تو آپ کی کچھ نہیں لگتی ہے؟“

زینب اس کے سوال کا کیا جواب دے رہی تھی۔ اُس کے الفاظ نے جتنی پرتیل کا کام کیا تھا۔

”میری کچھ لگتی ہے یا نہیں لگتی مگر۔“

زینب تڑپ اٹھی۔ فوراً بولی۔ ”کچھ نہیں لگتی ناں؟“

”زینب! میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میری چیزوں کو اس طرح تباہ کیا جائے۔“

”تو میں کیا کر سکتی ہوں؟ پکڑ کر گلے گھونٹ دیں ان کے۔“

اُن کی بہو کو کیا ہو گیا ہے۔ تُڑکی بٹڑکی جواب دے رہی ہے۔ بیٹا بھی اپنے کمرے میں موجود ہے۔ اُسے ضرور صورتِ حال کا علم ہو چکا ہے مگر نہ تو باہر آیا ہے نہ بچوں کی معمول کے مطابق سرزنش کی ہے۔

”اچھا! کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ تم لوگ چاہتے ہو کہ میں گھر سے نکل جاؤں۔“ اور وہ تیزی کے ساتھ دروازے سے باہر آ گیا۔

میرزا عبدالقیوم نے ساری زندگی صوبائی حکومت کے ایک دفتر میں ملازمت کی تھی۔ وہ معمولی کلرک سے اعلیٰ افسر کے عہدے تک پہنچا تھا اور اس کی ترقی کا حقیقی سبب اس کی ایمان داری، دیانت داری اور منصبی فرائض سے گہری دل چسپی تھی۔

ملازمت کے اختتام پر، دفتر کے سربراہ نے بڑی کوشش کی تھی کہ اس کی دفتر سے وابستگی میں توسیع کر دی جائے مگر وہ خود اس پر راضی نہ ہوا۔





اپنے دوستوں سے تو اس نے یہی کہا کہ میں نے اپنے حصے کا کام کر لیا ہے، اب یہ دوسروں کا حق ہے کہ وہ آگے بڑھ کر اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔ میں کسی کا حق مارنا نہیں چاہتا۔ اس کے دوستوں نے قطعِ ملازمت کا یہ جواز تسلیم کر لیا تھا لیکن دل کی بات اس نے کسی سے بھی نہیں کہی تھی اور دل کی بات یہ تھی کہ وہ دفتر کی ہنگاموں سے دور ہو کر بڑے پرسکون ماحول میں بقیہ زندگی بسر کرنے کا آرزو مند تھا۔

”خاموشی، سکون اور اپنا دن اور اپنی رات۔“ یہ تھی اس کی آرزو جو چھٹی کے وقت اپنے کاموں سے فراغت پانے کے بعد یا گھر میں اپنے مخصوص کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے اُس کے دل و دماغ میں چھا جاتی تھی اور وہ ان لمحوں کی گود میں چلا جاتا تھا جب دفتر سے رشتہ منقطع کرنے کے بعد خاموشی، سکون اور اپنے سارے معمولات میں مکمل آزادی حاصل کر لے گا۔ اس ماحول کا تصور کرتے وقت اُسے ایک عجیب سی خوشی مل جاتی تھی اور وہ دیر تک اس تصور میں دُوبار ہوتا تھا۔

پہلے دن جب صبح اُٹھ کر اُس نے یہ خیال کیا کہ اب سارا دن اس کا اپنا ہے اور اُسے کہیں بھی آنا جانا نہیں ہے۔ کوئی بھی فریضہ ادا کرنا نہیں ہے تو اس کا دل سرخوشی کی ایک ایسی کیفیت محسوس کرنے لگا جسے وہ اپنی تمام تنگ و دو کا حاصل سمجھتا تھا۔ وہ خوش تھا، مطمئن تھا۔

اُس نے اپنے کمرے کو ٹھیک کرنے کا ارادہ کیا اور اپنی بہو سے جو بچوں کے ساتھ ناشتے لے کر آگئی تھی، کہا:

”زینب! اب تو یہی میری دنیا ہے۔ یہ میرا کمرہ، اسے ٹھیک ٹھاک کرنا ہوگا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟“
 ”ضرور بابا جان! جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہو جائے گا، حکم کیجیے۔“ اُس کی بہو نے بڑے میز پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔
 ”یہ صوفہ سیٹ پرانا ہو گیا ہے۔“

”نیا خرید لیں گے۔“

”میز بھی نئی۔“

”بس ٹھیک ہے۔“

اُس کی بہو مسکرا رہی تھی۔

”بابا جان! میں آج ہی پرانی چیزیں نکلوا لوں گی۔ صوفہ سیٹ خرید لائیں گے اور بھی سب کچھ۔۔۔ محمود کے ابو بھی کہہ رہے تھے کہ بابا جان اب گھر پر ہی رہا کریں گے۔ انھیں ہر طرح آرام پہنچائیں گے۔“

چند روز میں کمرہ ٹھیک ہو گیا، اسے ٹھیک کرنے میں اُس نے خود کم اور گھروالوں نے زیادہ حصہ لیا تھا۔

ایک ہفتہ اس انداز میں گزرا جس انداز میں وہ گزارنا چاہتا تھا۔ دفتر کے پرانے ساتھی اس سے ملاقات کے لیے آتے رہے۔ اُس کا پوتا اور دونوں پوتیاں چائے اور کھانا اس کے کمرے ہی میں پہنچاتے رہے۔ اس قسم کا ہنگامہ ضرور رہا لیکن اُسے یقین تھا کہ یہ سب کچھ عارضی ہے۔ احباب آتے ہیں تو آئندہ آنے سے رُک جائیں گے۔ اس کی بہو بچوں کو ڈانٹنے ڈپٹنے میں جوشور کرتی ہے، یہ بھی اُس وقت ختم ہو جائے گا یا بہت حد تک ختم جائے گا، جب وہ ان کی ماں کو سمجھا دے گا کہ بچوں کے ساتھ مادرانہ شفقت کا رویہ اختیار کرے۔ بچے اوپر آتے ہیں، اپنے





جوتوں کے ساتھ اندر آ کر قالین خراب کر دیتے ہیں، تو یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے، وہ انھیں بتا دے گا کہ اوپر میرے کمرے میں آؤ تو جوتے اتار کر آؤ۔

تین ہفتے بیت گئے اور پھر اُس کے ذہن میں اندیشہ ہائے دور دراز اپنا سایہ ڈالنے لگے۔ اُس نے سوچا تھا کہ دفتر کے کچھ لوگ آتے ہیں تو اظہارِ محبت کے لیے آتے ہیں۔ آخر کب تک یہ اظہار ہوتا رہے گا، مگر اتنی مدت صبر سے کام لینے کے بعد اُس نے محسوس کیا کہ یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔

پہلے اُس کے پرانے اور نئے ساتھی محض اسے، اُس کے شان دار کیریئر (career) پر مبارک باد دینے کے لیے آتے تھے۔ اب وہ اُس سے ہدایات لینے کے لیے آئے لگے تھے۔

”سر! ایسے کاغذات کن قانون میں رکھے جاتے ہیں؟ بڑے افسر کے ہاں جا کر سوال کس طرح کرنا چاہیے؟“

یہ لوگ عام طور پر یہی سوال کرتے تھے اور وہ جواب دے دے کر بور ہو جاتا تھا۔ اس سے بڑی کوفت اُسے اپنے پوتے اور پوتیوں سے ہونے لگی تھی۔ وہ سیر و تفریح کی خاطر کسی سے ملاقات کے لیے، کوئی چیز خریدنے کے لیے گھر سے باہر نکلتا تھا تو بچے سکول سے واپس آ کر گھر میں ہوتے تھے تو بے تکلف اُس کے کمرے میں آ جاتے تھے اور طوفانِ بدتمیزی مچا دیتے تھے۔ چیزوں کی بے ترتیبی دیکھ کر اُسے دکھ ہونے لگا تھا۔

اپنے کمرے کی تباہی پر اسے ہر بار ذہنی کوفت ہوتی تھی مگر جب اس کی بہو بچوں کو بُری طرح ڈانٹ ڈپٹ دیتی تھی بلکہ کسی نہ کسی کی پٹائی بھی کر دیتی تھی اور اُس کا بیٹا بھی اگر گھر میں ہوتا تھا تو اس ڈانٹ ڈپٹ میں حصہ لینے سے باز نہیں رہتا تھا تو اس کا غصہ کسی قدر ہلکا ہو جاتا تھا اور وہ آہستہ آہستہ نارمل حالت میں آ جاتا تھا، مگر اُس روز تو ان دونوں نے ایک ایسا رویہ اختیار کر لیا تھا جو اُس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ بہو کا فقرہ، ”تو میں کیا کر سکتی ہوں، پکڑ کر گلے گھونٹ دیں ان کے“ اُس کے ذہن پر مسلسل ضربیں لگا رہا تھا۔ وہ بغیر کسی مقصد کے گلیوں اور بازاروں کے چکر لگاتا رہا۔ باغوں میں گھوما، کتابوں کی دکان پر کچھ کتابیں خریدیں اور ایک اخبار بھی۔ گھر پہنچ کر وہ کسی سے کچھ کہے سنے بغیر اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا اور بستر پر گر کر ایک نئی کتاب کی ورق گردانی کرنے لگا۔ شام ہو چکی تھی۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ کتاب پڑھنا ممکن نہیں تھا اور اس کے اعصاب پر کچھ ایسا بو جھ پڑ چکا تھا کہ بستر سے اُٹھ کر بجلی کے سوئچ بورڈ تک جانا ڈوبھر لگ رہا تھا۔ وہ کتاب بند کر کے لیٹ گیا۔

بہو اور بیٹے کی بے نیازی اُسے یاد آ گئی اور اپنے وہ الفاظ بھی جو اُس نے گھر سے نکلنے وقت اپنی بہو سے کہے تھے ”اب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ تم لوگ چاہتے ہو کہ میں گھر سے نکل جاؤں۔“

”مگر میں کیا کر سکتا ہوں؟ کہاں سر چھپاؤں جا کر؟ کدھر جاسکتا ہوں؟“

یہ سوچ کر اس پر ایک گہری افسردگی طاری ہو گئی۔





اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اچانک اُس کی بند آنکھوں پر کسی نرم سی شے نے مَس کیا۔ اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس کی بڑی پوتی کلثوم پاس کھڑی مسکرا رہی تھی۔

”دادا ابو! سو گئے تھے آپ؟“

”کیوں آئی ہو یہاں؟“ وہ گرجا۔

بچی کی آنکھوں میں جو بیٹھی سی معصومانہ مسکراہٹ جھلک رہی تھی، فی الفور غائب ہو گئی۔

”دادا ابو!“

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

”کیا ہے؟“

وہ دوبارہ گرجا۔

”وہ۔۔۔ دادا ابو! کھانا۔۔۔“

”نہیں! بھوک نہیں ہے مجھے۔ بھاگ جاؤ فوراً۔“

کلثوم کمرے سے باہر جانے لگی۔

جب وہ کمرے میں آیا تھا تو اُس نے ادھر ادھر نظر نہیں ڈالی تھی۔ آتے ہی بسز پر گر پڑا تھا۔ اب اس نے دیکھا کہ کمرے کی صفائی ہو گئی

ہے مگر کتابیں بدستور منتشر ہیں۔

”جاہل عورت!“

وہ اپنی ان پڑھ بہو کو جاہل سمجھتا تھا۔ اُس کے بیٹے نے محبت کی شادی کی تھی اور وہ شروع ہی سے بہو کو پسند نہیں کرتا تھا، اگرچہ وہ اُس کے

آرام کا ہر طرح خیال رکھتی تھی۔

چند منٹ بعد بہو اور بیٹا آ گئے۔

”بابا جان! کھانا کھا لیجئے ناں۔“ یہ اُس کی بہو کے الفاظ تھے۔

”نہیں! کہ جو دیا، بھوک نہیں ہے۔ کیوں پریشان کرتے ہو مجھے؟“

”مگرا ابو! آپ نے تو دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔“ اس کا بیٹا بولا۔

باپ نے خشمکیں نظروں سے بیٹے کو دیکھا اور بیٹے نے نظریں جھکا لیں۔ کچھ اور اصرار کرنے کے بعد دونوں مایوس ہو کر چلے گئے۔

اُن کے جانے کے بعد اُس نے پھر کتاب اٹھائی لیکن آدھ صفحہ پڑھ کر ہی اُسے چھوڑ دیا۔ سرہانے کے اوپر اخبار بھی کھلا ہوا پڑا تھا۔

کتاب ایک طرف رکھ کر اُس نے اخبار اٹھا لیا۔ وہی دہشت ناک خبریں تھیں جو اخباروں میں نمایاں طور پر چھپتی ہیں۔ یکا یک اُس کی نگاہ

ایک اشتہار پر پہنچ کر رک گئی۔





اس اشتہار میں امریکی طرز پر ایک اولڈ ایج ہوم (Old Age Home) کے قیام کی خوش خبری سنائی گئی تھی اور اُن بوڑھے مردوں اور بوڑھی عورتوں کو اس ہوم کے مالک احمد جاوید سے ملنے کو کہا گیا تھا جو بڑھاپے میں پُر سکون زندگی بسر کرنے کے آرزو مند ہیں۔ نیچے احمد جاوید کا پتا درج تھا۔

اُس نے سانس روک کر یہ خبر پڑھی۔

یہ تو بہت ہی اچھی خبر ہے۔ اُس نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا اور اخبار کو پلیٹ کر تپائی کے اوپر رکھنے سے پیش تر وہ تین بار اس اشتہار کو پڑھ چکا تھا۔

صبح اُس کی بہونا شتا لے کر آگئی۔

”باباجی! خدا کے لیے انکار نہ کریں۔“

بہو نے یہ الفاظ بڑی لجاجت سے کہے تھے، اُس نے بہو کے ہاتھ سے ٹرے لے لی اور وہ اپنے سُسر کو بڑی ممنونیت سے دیکھنے لگی۔

جلدی جلدی ناشتا کرنے کے بعد اُس نے لباس تبدیل کیا اور احمد جاوید سے ملاقات کے لیے روانہ ہو گیا۔

احمد جاوید کی عمر پچاس پچپن سے کم نہیں تھی مگر بڑا چاق چو بند دکھائی دیتا تھا۔ لباس فیشن کے مطابق، چوڑی پیشانی اور آنکھوں میں ذہانت کی چمک۔ بڑی خوشی سے اُس نے خیر مقدم کرتے ہوئے اُسے اپنی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ نام وغیرہ پوچھا۔ حالات دریافت کیے اور جب اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ جس شخص سے وہ ملاقات کر رہا ہے وہ ہوم میں داخل ہونے کے لیے بے قرار ہے تو بولا:

”مجھے، آپ کی تشریف آوری پر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ آپ کی خواہش کی تکمیل کر کے مجھے اور خوشی ہوگی۔ میں نے اپنی زندگی کا ایک اچھا خاصا حصہ امریکا میں گزارا ہے۔ اس کی کچھ چیزیں مجھے پسند نہیں آئیں۔ کچھ پسند آئی ہیں اور ایک چیز جو بہت زیادہ پسند آئی ہے وہ اولڈ ایج ہوم کا سٹم ہے۔ میں کئی بار اس قسم کے ایک ہوم میں گیا تھا اور وہاں رہنے والوں کو بہت مسرور اور مطمئن پایا تھا۔ سچ کہتا ہوں اُن کے چہروں پر مجھے جو سکون نظر آیا تھا وہ قابل رشک تھا۔“

احمد جاوید نے ذرا رک کر اپنے ملاقاتی کا غور سے چہرہ دیکھ کر، اُس کے ردِ عمل کو بھانپنے کی کوشش کی۔ یہ ردِ عمل اُس کی منشا کے عین مطابق تھا۔ ”میں نے قیام امریکا کے دوران ہی اپنے ہاں اولڈ ایج ہوم بنانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ میرے محترم! آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوں گے کہ سن رسیدہ افراد کو بڑے سکون کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ان بے چاروں کو نہیں ملتا۔ اسی ضرورت کو مد نظر رکھ کر میں نے نہ کثیر صرف کر کے ایک بہت آرام دہ اور ہر لحاظ سے مکمل ہوم بنالیا ہے۔ اخراجات کے لیے بڑی معمولی رقم مقرر کی ہے۔“

”کتنی؟“ اُس نے پوچھا۔

”صرف ایک ہزار ماہانہ، جو ہوم کی سہولتوں کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔“

”ٹھیک۔ اور کچھ؟“

”اور کچھ؟ بس آپ چلیے میرے ساتھ۔ میں آپ کو ہوم دکھا دوں۔“





چائے پینے کے دس منٹ بعد وہ احمد جاوید کے ساتھ ایک خوب صورت، سبے سجائے کمرے میں کھڑا تھا۔ اس کمرے میں، سب کچھ موجود تھا۔ صوفہ سیٹ، کرسیاں، میز، تپائیاں، بک شیلف، الماریاں۔ فرش پر قالین، دیواروں پر رنگا رنگ تصویریں۔ ایک طرف وال کلاک۔ احمد جاوید نے مزید سہولتوں کی تشریح کی۔

”ایک ملازم اور ایک ملازمہ خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ گھنٹی بجائیے، ایک منٹ میں موجود۔ ناشتا، کھانا وقت پر اور کیا چاہیے پرسکون زندگی کے لیے؟“

اُسے کمرہ بہت پسند آیا۔
”اور کمرے بھی ہوں گے اور ان میں؟“

احمد جاوید بات سمجھ گیا۔

”اور کمرے ضرور ہیں مگر جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ابھی اس سسٹم کی ابتدا ہوئی ہے۔ لوگ آتے جائیں گے اور ایک دن یہ ہوم واقعی اولڈ ایج ہوم بن جائے گا۔“

”تو ابھی صرف میں؟“

احمد جاوید نے جواب دیا۔

”آپ کی طرح ایک صاحب آئے تھے۔ بے حد مطمئن اور خوش تھے۔ افسوس انھیں ایک پرانی بیماری نے کچھ زیادہ مدت خوشی سے زندگی بسر کرنے نہ دی۔ فوت ہو گئے۔“

اُس دن دوسرے پہر وہ اپنی کتابیں اور کپڑے لے کر، گھر والوں کو حیران و پریشان چھوڑ کر احمد جاوید کے اولڈ ایج ہوم میں آ گیا۔ شام تک سارا وقت بک شیلف میں کتابیں ترتیب کے ساتھ رکھنے، کمرے کے فرنیچر کا اچھی طرح جائزہ لینے، نوکر اور نوکرانی سے تعارف ہونے میں گزر گیا۔ نوکر کا نام بخشو تھا اور نوکرانی رشتے میں اس کی خالہ تھی جس کا نام ہاجرہ تھا۔

ہاجرہ نے بڑے سلیقے سے چائے کی ٹرے اُس کے آگے تپائی پر رکھی تھی اور خود مودب ہو کر ایک طرف کھڑی ہو گئی تھی۔

”بس جاؤ!“

”جی کوئی حکم؟“

”نہیں کوئی نہیں۔“

کتنی تربیت یافتہ نوکرانی ہے۔ اُسے اپنی بہو یاد آ گئی جو اس کے ایک مرتبہ کہنے پر اول تو چائے بھیجتی ہی نہیں تھی، دو تین بار کہتا تھا تو کوئی بچہ چائے لے کر آ جاتا تھا جو کافی ٹھنڈی ہوتی تھی۔ دو تین گھنٹے بھر کروہ پیالی ہاتھ سے رکھ دیتا تھا اور جب سیر کے لیے باہر جاتا تھا تو کسی ریسٹوران میں بیٹھ کر خوش گوار ماحول میں چائے پی لیتا تھا۔

چائے پینے کے بعد اُس نے کھڑکی کا پٹ کھول کر فضا میں دیکھا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ اس روز فضا کچھ بدلی بدلی لگتی تھی۔ ہوا کے





ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکوں نے اُس کے ماتھے کو چھوا تو اسے ایک نئی لذت کا احساس ہوا۔
 ”خواہ مخواہ اتنا وقت اُس منحوس گھر میں بتایا۔ کاش! اس ہوم کا علم ریٹائرمنٹ کے وقت ہی ہو جاتا۔“ اس نے سرد ہوا میں لمبا سانس لے کر سوچا۔

شام کو کمرے سے باہر نکلا اور سیر کو روانہ ہو گیا۔
 گھنٹا بھر ادھر ادھر گھومنے کے بعد کمرے میں آ گیا۔ احمد جاوید کرسی میں بیٹھا اس کا منتظر تھا۔
 ”ویلم سر!“ نظیلا اُس نے اُٹھ کر کہا۔
 ”شکریہ۔“

”میں صرف یہ پوچھنے حاضر ہوا ہوں کہ کسی قسم کی دقت، کوئی تکلیف؟“ احمد جاوید نے کرسی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔
 ”جی بالکل نہیں! بہت خوش ہوں۔“

آپ یہاں ہمیشہ خوش ہی رہیں گے۔ جلد ہی ایک صاحب آجائیں گے۔ تنہائی نہیں رہے گی۔
 ”کوئی صاحب آنے والے ہیں؟“ اس کا سوال تھا۔

جی ہاں۔ انھیں بھی بڑھاپے میں سکون کی تلاش ہے۔ جلد جلد اپنے معاملات پنٹا رہے ہیں۔ بڑے خوش مزاج آدمی ہیں۔ امریکا میں بھی کئی سال گزار چکے ہیں۔ یہ آپ کے ساتھی بنیں گے۔
 ”بہت خوب!“

اور احمد جاوید شب بخیر کہہ کر چلا گیا۔

رات کا کھانا آ گیا۔ سادہ کھانا تھا مگر مزے دار۔ کھانا کھا کر اس نے چائے منگوائی اور اس سے فارغ ہو کر، کچھ دیر ایک کتاب کا مطالعہ کیا اور بستر پر لیٹ گیا۔

”یہی سکون ہے، جس کی مجھے تلاش تھی۔ خوش قسمت ہوں کہ میرا خواب پورا ہو گیا ہے۔“
 وہ جب تک جاگتا رہا، ایسے ہی خوش آئند تصورات اس کے ذہن پر چھائے رہے، پھر وہ سو گیا۔
 صبح اٹھا تو اس کا جی بے اختیار چاہا کہ کچھ گنگنائے:

خدا جانے یہ کس کو دیکھ کر، دیکھا ہے دنیا کو
 کہ جو شے ہے، نگاہوں کو حسین معلوم ہوتی ہے

دوسرا مصرع وہ بار بار گنگناتا رہا۔

لمحہ غسل خانے میں وہ نہایا دھویا۔ نکلا تو چائے کی ٹرے تپائی پر رکھی ہوئی تھی۔

”یہ سہولت، اس منحوس گھر میں کہاں تھی؟“

چائے پی کر وہ کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔





فضا میں روشنیاں اترتی چلی جا رہی تھیں۔ بازاروں اور سڑکوں پر زندگی جاگ اٹھی تھی۔ بچے دو دو تین تین کی ٹولیوں میں مدرسوں کو جا رہے تھے۔ اُسے اپنے پوتے اور پوتیوں کا خیال آ گیا۔ ”بدتمیز کہیں کے!“ اور وہ کھڑکی سے الگ ہو گیا۔

سکون کے دن تھے، سکون کی راتیں تھیں اور وہ خود کو ایک ایسا بچہ محسوس کرتا تھا جو پنجرے کی قید سے رہائی پا کر فضا کی وسعتوں میں پوری آزادی کے ساتھ اڑ رہا ہو۔

ایک ہفتہ بیت گیا۔ ایک اور ہفتہ بیتا اور وہ شام کی چائے پی کر سیر کے لیے جانے ہی والا تھا کہ اتناں ہاجرہ نے اوپر آ کر اُسے اطلاع دی کہ آپ کے گھر والے آ گئے ہیں۔

”کیا ہے؟ آگئے ہیں تو ہوا کیا ہے؟ مجھے واپس لے جانے سے تو رہے۔ چلے جائیں گے تھوڑی دیر بیٹھ کر۔“

”بلا لو۔“

اُس کا بیٹا، بہو اور پوتا اور پوتیاں آ گئیں۔ بہو نے پھل کی ٹوکری اٹھا رکھی تھی۔

”سلام علیکم ابو! سلاماں لیکم باباجی! دادا جان سلام علیکم!“

آوازیں بلند ہوئیں۔ اس نے سر کی جنبش سے جواب دیا اور ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

میاں بیوی صوفے پر اور بچے نیچے بیٹھ گئے۔

”ابو! آپ یہاں خوش ہیں؟“ اُس کے بیٹے نے سوال کیا۔

”بہت خوش ہوں۔ بہت مطمئن ہوں۔“

”اچھا بڑی اچھی بات ہے۔ ہمیں دکھ ہے کہ آپ کو خوش اور مطمئن نہیں کر سکے تھے۔“ بیٹے کے لہجے میں دبا دبا دکھ تھا۔

”باباجی! اسے کیا کہتے ہیں؟“ بہو نے پوچھا۔

”اولڈ ایج ہوم۔“

اڈل بہو کی زبان پر پہلا لفظ ہی نہ آ سکا۔ ”یہ ہوتا کیا ہے باباجی؟“

اس نے گلو خلاصی کے لیے دونوں ہاتھ لہرائے۔ ”تم نہیں سمجھ سکتیں۔“

بیٹے نے باپ کو پھل کی ٹوکری دی۔

”مجھے یہاں کسی شے کی کمی نہیں ہے۔ سب کچھ مل جاتا ہے۔ لے جاؤ بچوں کے لیے۔“

”نہیں ابو! یہ آپ کے لیے لائے ہیں۔“

باپ نے بیٹے کی طرف ٹوکری بڑھادی تھی۔

اس دوران بچوں نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ دادا، محمود کی طرف دیکھتا تھا تو وہ فوراً اپنا سر جھکا لیتا تھا۔ یہی حال اُس کی بہنوں کا بھی تھا۔





”کتنی چالاکی سے تمیز داری کا ڈراما کر رہے ہیں!“ یہ سوچ کر وہ خود ہی مسکرا پڑا۔

گھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ کون کون اسے ملنے کے لیے گھر آیا اور اسے کیا بتایا گیا۔ ہمسایوں کے سامنے اس کے بارے میں کیسی کیسی

غلط بیانی کی گئی۔ یہ سب کچھ اُسے بتایا گیا۔

”خبردار کسی کو بھی یہاں کا علم نہ ہو۔“ اس نے تاکیداً کہا۔

”جی! ہاں! ہم نے کسی کو نہیں بتایا۔ آپ نے جو کہہ دیا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔“

وہ جانے لگے تو بیٹے نے ایک بڑا سالفافہ باپ کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ وہ خط تھے جو اس کے نام اس کی عدم موجودگی میں آئے تھے۔

اُن کے چلے جانے کے بعد اُس نے لفافے سے خط نکالے اور ایک ایک کو پڑھنے لگا۔

ایک خط کتابوں کی ایک دکان سے آیا تھا جس میں اسے ”NEW ARRIVALS“ کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی۔ دوسرا خط اس

کے پرانے دفتر کی یونین کے سیکرٹری کی طرف سے تھا جس میں اس سے درخواست کی گئی تھی کہ اپنے پرانے ساتھی فیروز دین کی الوداعی پارٹی

میں شامل ہو کر ممنون فرمائے۔ دو خطوں میں اُس کے دوستوں نے اپنے بیٹوں کی شادی پر اُسے مدعو کیا تھا۔ کتابوں کی دکان والا خط اُس نے

تکیے کے نیچے رکھ لیا اور باقی پھاڑ کر رڈی کی ٹوکری میں ڈال دیے۔

”اب میرا ان لوگوں سے کیا تعلق واسطہ؟“

ایک مہینہ گزر گیا۔ نوکراؤں کو کرانی نے اپنی ذمہ داریوں میں کبھی کسی قسم کی بے قاعدگی نہیں کی تھی مگر اس روز صبح کی چائے چھبے کی

بجائے ساڑھے سات بجے ملی۔

”ماف کر دو باباجی!“ ہاجرہ نے خود ہی کہنا شروع کر دیا۔ ”چائے دیر سے ملی۔ دیر سے جو آئی ہوں۔“

”اچھا۔“ اُس نے ہاجرہ کے الفاظ کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

”وہ جی۔۔۔ ہمارا ہو گیا تھا۔“

”کون بیمار ہو گیا تھا؟“ اُس نے یوں ہی سوال کر دیا اور چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

”جی وہ میرا پوتا جی۔ بڑا فکر ہے جی۔ ہمارا ہی چھوڑ کر آئی ہوں۔ میرا دھیان اُسی میں لگا ہوا ہے۔ دعا کریں، بزرگ ہیں۔ ٹھیک ہو جائے۔“

وہ گھونٹ گھونٹ چائے پیتا رہا اور وہ ملتجیانہ نظروں سے اُسے دیکھتی رہی۔

”دعا کریں گے ناں!“

اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”ناشتا تھوڑی دیر بعد یا ابھی؟“ ہاجرہ نے ٹرے اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”تھوڑی دیر بعد۔“





اور یہ الفاظ سن کر وہ چلی گئی۔

وہ جب کھڑکی کی طرف جا رہا تھا تو اُسے اپنے پوتے کا خیال آ گیا اور اس کے ساتھ ہی پوتے اور پوتیوں کے چہرے اس کے سامنے آ گئے۔ ”اُس روز کتنے مودب ہو کر یہاں بیٹھے تھے!“ وہ مسکرانے لگا۔

دھوپ پھیل چکی تھی۔ بازاروں میں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ اُس کی نگاہیں دور سکول کی عمارت پر پڑیں۔ بچے قطاروں میں کھڑے تھے۔ دعا کر رہے ہوں گے۔ وہی دُعا جو اُس کا پوتا اور پوتیاں گھر آ کر کبھی کبھی اُسے سنایا کرتی تھیں۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری

زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

وہ کھڑکی میں کھڑا رہا۔ قریب کمرے کے اندر شور ہوا۔ اُس نے مڑ کر دیکھا۔ یہ بخشتو تھا جو ناشتا لے کر آیا تھا۔ بیڈٹی (Bed Tea) اور ناشتا ہاجرہ ہی لایا کرتی تھی۔ ناشتے کے بعد بخشتو حقہ تازہ کر کے لاتا تھا۔ ناشتا لانا اُس کی ڈیوٹی میں شامل نہیں تھا۔

”ہاجرہ کہاں ہے؟“ اُس نے کھڑکی سے الگ ہوتے ہوئے پوچھا۔

”اسے اپنے پوتے کا بڑا فکر ہے۔ گھر چلی گئی ہے۔“

”زیادہ بیمار ہو گیا ہے؟“

”کہتی تھی بڑا کم زور ہو گیا ہے۔“

وہ کرسی میں بیٹھ کر ناشتا کرنے لگا۔ چند منٹ گزرنے پر بخشتو حقہ لے آیا۔

”تازہ اخبار لے آؤں بازار سے؟“

”نہیں، میں خود لے آؤں گا۔“

ناشتا کرنے کے بعد وہ بڑے اطمینان کے ساتھ حقے کے کش لگا تا تھا۔ اس وقت بھی وہ کش لگا رہا تھا اور جلد باہر نکلنا چاہتا تھا۔ اخبار خرید کر وہ اپنی منزل متعین کیے بغیر چلتا گیا۔ اخبار کی بڑی خبریں وہ کسی باغ میں بیٹھ کر پڑھتا تھا۔ اُس روز بھی ایک باغ کے اندر بیچ پر بیٹھ گیا۔

ایک دم شور مچا ہونے لگا۔ اُس نے سامنے دیکھا۔ لڑکے آدھی چٹھی کے وقت خوش خوش شور مچاتے ہوئے اپنی اپنی کلاسوں سے نکل رہے تھے۔ اُسے سکول کی عمارت شناسا محسوس ہوئی اور دوسرے ہی لمحے اُسے معلوم ہو گیا کہ وہ اس سکول کے پاس بیٹھا ہے جس میں اُس کا پوتا اور پوتیاں پڑھتی ہیں۔

”پتا نہیں میں یہاں کیسے آ گیا؟“

وہ اخبار سرسری طور پر دیکھنے لگا۔ چند منٹ میں سارا اخبار دیکھ لیا۔ اُٹھا تو اُس کے پاس وہ تینوں کھڑے تھے۔

”تم؟“





ایسے سوالات نے اُس کے ذہن کا احاطہ کر لیا تھا۔

”اب وہ تو ہے نہیں جس نے خط لکھا تھا۔ دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔“ اس نے لفافہ کھولنے کے لیے جواز تلاش کر لیا۔

ذرا سی ہچکچاہٹ۔۔۔ اور پھر لفافہ چاک ہو چکا تھا۔ وہ پڑھنے لگا۔ الفاظ ٹیڑھے میڑھے تھے۔ لگتا تھا لکھنے والے کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔

”میرے عزیز بیٹے!

تم پر اللہ کی سلامتی ہو!

چار دن سے میری حالت کافی خراب ہو گئی ہے۔ ہارٹ بار بار تنگ کرتا ہے۔ زندگی سے اب مایوسی ہی مایوسی ہے۔

میرے عزیز اور پیارے بیٹے! تمھاری ماں کے انتقال کے بعد میں بُری طرح یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ بالکل بے آسرا اور بے سہارا ہو گیا ہوں۔ مجھے تم سے، تمھاری آپا سے یہ شکایت ہو گئی تھی کہ تم لوگ میری پروا نہیں کرتے۔ تم لوگوں کا سارا وقت اپنے بچوں، دوستوں اور سہیلیوں کے لیے وقف ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کا ردِ عمل یہ ہوا تھا کہ میں اپنے گھر سے بے زار ہو گیا تھا۔ چاہتا تھا کہ یہاں سے نکل بھاگوں۔ انھی دنوں احمد جاوید سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے بتایا کہ امریکا میں اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں اولڈ ایج ہوم، بوڑھوں کے لیے ایک جنت ہوتی ہے، جس میں رہنے والے بڑی پرسکون زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس نے اسی طرز کا ہوم بنالیا تھا اور میں اس کی باتوں سے متاثر ہو کر اُس کے ہوم میں آ گیا تھا۔

یہ چند ہفتے جو میں نے یہاں گزارے ہیں میرے لیے عارضی سکون لے کر آئے تھے۔ بیٹا! جب سے بیمار ہوا ہوں، تم سب لوگ مجھے بہت یاد آ رہے ہو۔ اپنے کنبے کی جدائی مجھ پر شاق گزرنے لگی ہے۔

الطاف بیٹے! اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں نے ایک بہت بڑی غلطی کی تھی۔ یورپ میں گھر کا کیا تصور ہے میں نہیں جانتا، مگر ہمارا گھر تو ہماری چھوٹی سی ایک دنیا ہوتی ہے جس میں رہنے والے ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہوتے ہیں کہ انھیں الگ الگ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ ایک درخت کی طرح جس کی شاخیں زمین کے اندر ایک دوسری سے گٹھئی ہوتی ہیں۔ ہمارے گھر، بزرگوں کی شفقتوں، جوانوں کے تہقہوں اور بچوں کی معصوم مسکراہٹوں سے آباد رہتے ہیں۔ یہی سب کچھ ہماری زندگی کی رونق ہے۔ ہماری زندگی کی بہار ہے۔ اسی میں زندگی کا سارا حُسن ہے۔

یہاں تنہائی مجھے اندر ہی اندر چاٹتی رہی ہے۔ مجھے اب اس کا علم ہوا ہے۔ میرے پیارے بیٹے! آؤ اپنے بیمار اور لاچار باپ کو اُس گھر میں لے جاؤ جس میں اس کا حقیقی سکون ہے۔ آؤ الطاف! جلدی آؤ۔۔۔ میں تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔“

یہ تحریر پڑھ کر اس کے اندر ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ وہ کرسی سے اٹھ بیٹھا اور ٹہلنے لگا۔ وہ کئی منٹ تک ٹہلتا رہا۔

بخشو آ یا۔ ”جناب! کھانا لے آؤں؟“

”مجھے یہ بتاؤ یہ خط یہیں کیوں پڑا رہا؟“





بخشوشوچ کر بولا، ”جناب! میں نہیں جانتا۔ اُس نے ہاجرہ کو دیا ہوگا۔ وہ بھول گئی ہوگی۔“
”اس کے گھر سے کوئی آیا تھا؟“

”مرنے کے بعد اس کا بیٹا آیا تھا اور میت لے گیا تھا۔“

وہ پھر کمرے میں پھرنے لگا۔

”کھانا لے آؤں جناب؟“ بخشوش نے پوچھا۔

اُس نے ملازم کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنی کتابیں اور کپڑے ایک طرف رکھنے لگا۔ بخشوش سے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

(گلی گلی کہانیاں)

مشق

سبق ”اولڈائج ہوم“ کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

i ”اولڈائج ہوم“ سے کیا مراد ہے؟

ii افسانے کے مرکزی کردار کا کیا نام ہے اور وہ کس عہدے سے سبک دوش ہوئے؟

iii ”اولڈائج ہوم“ قائم کرنے والے کردار کا نام کیا ہے؟

iv ”یہ میری کم بخت اولاد ہے تو آپ کی کچھ نہیں لگتی؟“ یہ الفاظ کس نے کس سے کہے؟

v ”اولڈائج ہوم“ میں کام کرنے والے بخشوش اور ہاجرہ کا آپس میں کیا رشتہ تھا؟

vi میرزا عبدالقیوم نے اپنا پہلا دن ”اولڈائج ہوم“ میں کیسے گزارا؟

vii ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد میرزا عبدالقیوم نے کس شوق میں وقت گزارنے کی منصوبہ بندی کی تھی؟

2 درست جوابات کی نشان دہی کریں:

i میرزا عبدالقیوم کی بہو کا نام تھا:

(الف) کلثوم (ب) زینب (ج) خالدہ (د) نکہت

ii پوتے کا نام تھا:

(الف) احمد (ب) نوید (ج) کلیم (د) محمود





میرزا عبدالقیوم نے ساری زندگی ملازمت کی تھی:

iii

- (الف) کارپوریشن کے دفتر میں
(ب) صوبائی حکومت کے دفتر میں
(ج) بورڈ کے دفتر میں
(د) کالج میں

میرزا عبدالقیوم نے ”اولڈ تاج ہوم“ کے قیام کا اشتہار پڑھا:

iv

- (الف) ایک بار
(ب) دو بار
(ج) تین بار
(د) چار بار

”اولڈ تاج ہوم“ کے قیام کی بنیاد رکھی گئی تھی:

v

- (الف) برطانوی طرز پر
(ب) ہسپانوی طرز پر
(ج) یونانی طرز پر
(د) امریکی طرز پر

افسانہ ”اولڈ تاج ہوم“ کے اہم نکات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے الفاظ میں خلاصہ تحریر کریں۔

3

میرزا ادیب کے افسانے ”اولڈ تاج ہوم“ اور امتیاز علی تاج کے تحریر کردہ ڈرامے ”آرام و سکون“ میں کس حد تک مماثلت موجود ہے؟

4

اولڈ تاج ہوم کے مالک ”احمد جاوید“ کی شخصیت اور خیالات کا جائزہ لیں۔ اس نے میرزا عبدالقیوم کو کس طرح ہوم میں ٹھہرنے پر آمادہ کیا؟

5

میرزا ادیب نے ”اولڈ تاج ہوم“ میں وفات پانے والے بزرگ کے خط کے ذریعے سے کن خیالات کا اظہار کیا ہے؟ تفصیل سے لکھیں۔

6

بزرگوں کو اولڈ تاج ہوم بھیجنا یا اس طرح کے حالات پیدا کرنا کہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں، کیسا عمل ہے؟

7

مشرقی اور مغربی خاندانی نظام کی خصوصیات پر ایک مضمون قلم بند کریں۔

8

مندرجہ ذیل جملوں کی سیاق و سباق کے حوالے سے وضاحت کریں:

9

”محمود نے ضرور اسے پہن کر دادا جان بننے کی کوشش کی ہوگی۔“

i

”زینب! اب تو یہی میری دنیا ہے۔ یہ میرا کمرہ، اسے ٹھیک ٹھاک کرنا ہوگا۔“

ii

”اس کا پوتا اور دونوں پوتیاں چائے اور کھانا اس کے کمرے ہی میں پہنچاتے رہے۔“

iii

”کتنی چالاکی سے تیز داری کا ڈراما کر رہے ہیں۔“

iv

”دوسرے ہی لمحے اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اس سکول کے پاس بیٹھا ہے جس میں اس کا پوتا اور پوتیاں پڑھتی ہیں۔“

v

”یورپ میں گھر کا کیا تصور ہے میں نہیں جانتا، مگر ہمارا گھر تو ہماری چھوٹی سی ایک دنیا ہوتی ہے۔“

vi





درج ذیل الفاظ و تراکیب اور محاورات کو جملوں میں استعمال کریں:

10

مادرانہ شفقت	فرائض منصبی	کچھ مر نکالنا	شکن آلود	کم و بیش
شاق گزرنا	گلو خلاصی کرنا	خشگیں نظریں	ورق گردانی کرنا	اندیشہ ہائے دور دراز

خاکہ

خاکہ کے لفظی معنی ابتدائی نقشہ یا ڈھانچا کے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں خاکہ ایک ایسی نثری صنف ہے جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ کسی شخصیت کا بھرپور تاثر ابھارتی ہے۔ یہ کسی شخصیت کی قلمی تصویر (Pen-Sketch) ہوتا ہے۔ عمدہ خاکے کی خوبی یہ ہے کہ جس شخصیت کا خاکہ لکھا جا رہا ہو، اس کی شخصیت کے تمام تر ظاہری و باطنی خدوخال قاری کے سامنے آجائیں۔ خاکے کو بے جا طویل نہیں ہونا چاہیے۔ اردو ادب میں خاکہ نگاری کے ضمن میں مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی، چراغ حسن حسرت، شاہد احمد دہلوی، فرحت اللہ بیگ، سعادت حسن منٹو اور ممتاز مفتی وغیرہ کے نام بہت نمایاں ہیں۔

افسانہ

اُردو ادب میں افسانہ بھی مغربی ادب سے آیا ہے۔ افسانہ ایک ایسی مختصر کہانی کو کہتے ہیں، جس میں زندگی کے کسی ایک واقعے، کردار یا کیفیت کو پیش کیا جاتا ہے۔ افسانے میں بیان ہونے والی کہانی اتنی مختصر ہونی چاہیے کہ اسے ایک نشست میں بہ خوبی پڑھا جاسکے۔

افسانے کی بنیادی خصوصیات

جامعیت

وحدت تاثر

اختصار

افسانے کی اقسام

- ۱۔ مقصدی افسانہ
- ۲۔ واقعاتی افسانہ
- ۳۔ نفسیاتی افسانہ
- ۴۔ کرداری افسانہ
- ۵۔ معاشرتی افسانہ
- ۶۔ علامتی یا تجریدی افسانہ

افسانہ ”اولڈ ایج ہوم“ کے مرکزی کردار ”میرزا عبدالقیوم“ کا خاکہ لکھیں۔

11



ذو معنی الفاظ

کچھ الفاظ ذو معنی ہوتے ہیں یعنی ایسے الفاظ، جن کے دو مفہوم ہوں، مثلاً:

ذو معنی الفاظ	معانی	ذو معنی الفاظ	معانی
بیت	۱۔ گھر ۲۔ شعر	ظرف	۱۔ برتن ۲۔ حوصلہ
اوقات	۱۔ وقت کی جمع ۲۔ حیثیت	جست	۱۔ ایک دھات کا نام ۲۔ چھلانگ

درج ذیل ذو معنی الفاظ کے معانی لکھیں:

(12)

مشتری

بار

روزگار

طرف

آب

ایسے الفاظ جن کی ظاہری شکل و صورت ملتی جلتی ہو مگر وہ املا، اعراب اور معانی میں مختلف ہوں، متشابہ الفاظ کہلاتے ہیں۔ جیسے:

متشابہ الفاظ

- ارض (عربی): زمین، جیسے: کرۃ الارض، ارض و سما
- عرض (عربی): عرض کرنا یعنی کوئی درخواست یا گزارش پیش کرنا جیسے: ادب سے عرض ہے۔
- سحر (عربی): صبح کا وقت، جیسے: سحر کا وقت تھا، معصوم کلیاں مسکراتی تھیں۔
- سحر (عربی): جادو، جیسے مقرر کی باتوں نے حاضرین پر سحر طاری کر دیا۔

درج ذیل متشابہ الفاظ کے معانی لکھیں:

(13)

کثرت، کسرت

لال، لعل

سدا، صدا

اصرار، اسرار

ظن، زن

سرگرمیاں برائے طلبہ

- معاشرے میں ”اولڈائج ہوم“ کے قیام کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر گفت گو کریں۔
- ”اولڈائج ہوم“ کے مرکزی کردار کے جذبات و احساسات اور بدلے ہوئے رویوں پر ایک نوٹ لکھیں۔
- افسانہ ”اولڈائج ہوم“ میں جن کرداروں کے درمیان مکالمے ہوئے ہیں، ان کو ڈرامائی انداز میں پیش کریں۔

اشارات تدریس

- طلبہ کو بتائیں کہ سبق کے ایک مکالمے میں ”سلام علیکم“ اور ”سلاماں لیکم“ کہا گیا ہے، جب کہ اس کا درست املا اور تلفظ ”اسلام علیکم“ ہے۔ طلبہ سے لکھنے کی مشق کروائیں۔
- افسانہ ”اولڈائج ہوم“ میں جو اشعار آئے ہیں، ان کے شعرا کے نام بتائیں اور مفہوم واضح کریں۔
- طلبہ کو اولڈائج ہوم کی تصویر، ویڈیو یا انٹرویو دکھائیں۔
- والدین اور بزرگوں کے حقوق پر اسلامی تعلیمات کا حوالہ دیں۔



ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

(۱۹۱۶ء - ۱۹۹۳ء)

اُردو کے ادیب، نقاد، ماہرِ لسانیات اور محقق ڈاکٹر ابواللیث صدیقی آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا آبائی وطن بدایوں ہے۔ ابتدائی تعلیم آگرہ اور بدایوں میں حاصل کی۔ مسلم یونیورسٹی میں جب آنرز کی کلاسیں شروع ہوئیں تو ابواللیث صدیقی نے بھی داخلہ لیا اور شعبہ اُردو کے پہلے پرائیویٹ پڑھنے لگے۔ تب انھوں نے ”لکھنؤ کا دبستان شاعری“ کے موضوع پر تحقیقی مقالہ مکمل کیا۔ تعلیم سے فراغت پائی تو وہ مختلف جامعات میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ لسانیات کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان روانہ ہو گئے۔ واپس آئے تو پہلے لاہور، پھر کراچی میں سکونت اختیار کی۔ ۱۹۷۶ء میں کراچی یونیورسٹی سے سبکدوش ہو گئے۔ مضمون نگاری کا آغاز ۱۹۳۰ء میں کر دیا تھا۔ زیادہ تر مضامین علی گڑھ میگزین میں شائع ہوئے جو تاریخ زبان اُردو اور لسانیات سے متعلق تھے۔ اس کے علاوہ انھیں لغت نویسی اور قواعد سے بھی بہت دل چسپی تھی۔ اُردو لغت بورڈ سے وابستہ ہوئے تو انھوں نے اُردو لغت کی چھ جلدیں ترتیب دیں۔

وہ بہ یک وقت نقاد، محقق، ماہرِ تعلیم اور استاد تھے۔ ان کی تصانیف میں ”آج کا اُردو ادب“، ”تاریخ زبان و ادب اُردو“، ”روایت اور تجربے“، ”غزل اور مسغریں“، ”صحفی اور اس کا عہد“، ”جرات اور اس کا عہد“، ”نظیر اکبر آبادی اور اس کا عہد“، ”اقبال اور تصوف“، ”لکھنؤ کا دبستان شاعری“، ”جامع القواعد (حصہ اول)“، ”اُردو میں سائنسی ادب کا اشاریہ“ اور ”رفت و بود“ (آپ بیتی) شامل ہیں۔



کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں

تدریسی مقاصد

طلبہ کو تعلیم کے بنیادی ذرائع اور ان کی اہمیت سے آشنا کرنا

اُردو زبان کی اہمیت بیان کرنا

طلبہ میں خود اعتمادی پیدا کرنا کہ وہ اُردو کو ذریعہ تعلیم بناتے ہوئے تحصیل علم کریں

عربی، فارسی، انگریزی اور دیگر مقامی، علاقائی زبانوں کے اُردو پر اثرات کا جائزہ لینا

ذریعہ تعلیم کے باب میں ہمارے ملک میں گفت گو ہو رہی ہے۔ دنیا کے شاید ہی کسی ملک میں کسی مسئلے کے تصفیے نے اتنا وقت لیا ہو اور بد قسمتی یہ ہے کہ ہم اب بھی اتنی مدت کے بعد کسی منصفہ فیصلے پر نہیں پہنچے۔

جب تک فارسی اس ملک کی سرکاری اور دفتری زبان رہی، یہی ہماری علمی اور ادبی زبان رہی لیکن اس کی حیثیت ایک اجنبی اور غیر ملکی زبان کی نہ تھی۔ فارسی یہاں لوگوں کے گھروں میں بولی جاتی تھی۔ بعض لوگوں کی مادری یا پدری زبان تھی اور یہاں کے لوگوں کی بھی یہ ثانوی زبان بن گئی تھی اور اتنی عام ہو گئی تھی کہ لوگ اس میں شعر کہتے تھے، دیوان اور مجموعے مرتب کرتے تھے، علمی، ادبی اور تاریخی کتابیں لکھتے تھے، جن کو نہ صرف اس ملک میں بلکہ ایران میں بھی ارباب بصیرت سینے سے لگاتے اور آنکھوں پر رکھتے تھے۔ اول امیر خسرو، عبدالقادر بیدل، مرزا غالب اور پھر آخر میں اقبالؒ کی فارسی، اہل زبان کے نزدیک بھی ویسی ہی قابل قبول ہے۔ فارسی ہی کیا عربی بھی ہماری علمی زبان تھی اور اس کی تحصیل کے بغیر ہمارے علم کا تصور مکمل نہیں ہوتا تھا لیکن فارسی کے اثر و اقتدار نے ایک عرصے تک اُردو کی ترقی کو روک رکھا اور ایک مدت تک یہ زبان صرف روزمرہ کے کاروبار اور معمولی کاموں کے لیے استعمال ہوتی رہی۔ پہلے پہل صوفیائے کرام اور علمائے عظام نے اس کی طرف توجہ دی اور اسے برصغیر ہندو پاکستان میں تبلیغ دین کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا اور پھر اپنی تعلیمات، سریدوں کی تربیت اور تصنیف و تالیف میں اختیار کیا۔ رفتہ رفتہ اس نے فارسی کے مقابلے میں آنکھیں کھولیں۔ کھنی درباروں میں اسے سلاطین اور امرا کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ شعرا اور نثر نگاروں نے اپنے افکار اور خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا، اس میں الفاظ کا سرمایہ بڑھا، اسالیب پیدا ہوئے اور تھوڑے دنوں میں یہ فارسی کی جانشین بن گئی۔ فارسی سے اس کی دشمنی نہ تھی۔ اس نے فارسی سے بہت سیکھا، فارسی کے پروں سے پروانگی۔ فارسی نے اس کی آبیاری کی، موضوعات اور اسالیب کے تنوع اور پختگی سے آشنا کرایا اور اس قابل بنادیا کہ یہ اپنے دور کے علمی اور ادبی تقاضوں کو پورا کر سکے۔

آج بھی ہمارے بہت سے نادان دوست کہتے ہیں کہ اگر اس قوم نے انگریزی زبان کا سایہ عاطفت چھوڑا تو یہ قوم یتیم ہو جائے گی، جاہل رہ جائے گی۔ دنیا میں کوئی اس کی بات نہ پوچھے گا۔ بین الاقوامی حلقوں میں اس کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ انگریزی کو چھوڑ کر یہ قوم ذہنی اعتبار



سے مفلس ہو جائے گی۔ علوم و فنون کا جو ذخیرہ انگریزی میں ہے اور اس میں روز بہ روز جو اضافہ ہو رہا ہے یہ قوم اس سے محروم رہ جائے گی۔

ہمارے محبتان قوم کا ایک طبقہ اور ہے جسے اپنی زبان سے بھی ہمدردی ہے۔ یہ لوگ اصولاً تو اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قومی ترقی کے لیے قومی زبان کی ترقی ضروری ہوتی ہے اور ملک میں تعلیم و تدریس کے معیار کو اعلیٰ کرنے کے لیے قومی زبان میں تعلیم ہونی چاہیے لیکن ان کے خیال میں اُردو ابھی اس قابل نہیں ہوئی کہ اسے یہ منصب سونپا جائے۔ اس میں علمی اور فنی اصطلاحات کی کمی ہے اس میں سائنسی مضامین کو ادا کرنے کا اُسلوب پیدا نہیں ہوا ہے جدید علوم و فنون پر کتابوں کا ذخیرہ موجود نہیں ہے۔ غرض ان کے خیال میں ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اپنی زبان میں تعلیم دینے کے مسئلے کو اٹھایا جائے۔

ان سوالوں کا جواب ایک بار نہیں ہزار بار دیا جا چکا ہے اور ان لوگوں نے دیا ہے جو اس زبان اور اس کے سرمائے سے واقف ہیں۔ ان لوگوں نے دیا ہے جو جدید علوم و فنون سے واقف ہیں اور جنہوں نے اپنی تعلیم انگریزی ہی کے ذریعے سے حاصل کی ہے اور جو اس مسئلے کی قومی اور بین الاقوامی حیثیت کے پہلو پر غور کرنے میں اپنی عمریں گزار چکے ہیں، لیکن ہر مرتبہ یہ مسائل اسی طرح اٹھائے جاتے ہیں گویا پہلی مرتبہ ان کا اظہار ہو رہا ہے اور ان کا کوئی جواب ہمارے پاس نہیں۔ میں انہیں چند مفروضہ مسائل اور خطرات کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں:

پہلا سوال یہ ہے کہ جن قوموں نے سائنسی میدان میں ترقی کی ہے، کیا واقعی ان کی ترقی انگریزی زبان کی مرہونِ منت ہے؟ مثال کے طور پر یورپ میں جرمنی کو یا پھر روس کو یا پھر ایشیا میں جاپان کو لے لیجیے۔ ان ملکوں کی سائنسی ترقی اور صنعتی فروغ کی کوئی ایسی بات نہیں جس پر کوئی بحث ہو سکے اور ان سب ملکوں نے اپنی اپنی زبان میں سائنس کی تعلیم و تدریس سے یہ ترقی کی ہے اور آج بھی سائنسی لٹریچر جتنا ان زبانوں میں شائع ہوتا ہے، انگریزی میں شائع ہونے والے لٹریچر سے مقدار یا نوعیت کسی اعتبار سے کم نہیں ہے۔ تو اگر دنیا کے اور چھوٹے بڑے مختلف ممالک اپنی اپنی زبانوں میں جملہ علوم و فنون اور سائنسی، صنعتی اور تکنیکی تعلیم کا انتظام کر سکتے ہیں تو ہماری زبان میں کیا ایسی بنیادی کمزوری اور خامی ہے جس کی بنا پر یہ ہماری تعلیم اور بالخصوص سائنسی تعلیم کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ ہمارے ایک ممتاز سائنس دان نے ایک عجیب بات کی۔ انہوں نے کہا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جرمنی میں جرمن زبان میں سائنس کی تعلیم ہو سکتی ہے، وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ان زبانوں میں سائنس کی تعلیم ہزار سال سے ہو رہی ہے اور اسی لیے یہ زبانیں سائنس کی تعلیم و تدریس کے لیے مناسب اور موزوں بن چکی ہیں۔ میں سائنس دان نہیں ہوں لیکن زبان اور اس کی تاریخ کا ادنیٰ طالب علم ضرور ہوں۔ مجھے قطعاً معلوم نہیں کہ آج سے ہزار سال پہلے انگریزی میں کوئی سائنسی لٹریچر پیدا ہوا تھا۔ میرے علم میں تو اس وقت انگریزی زبان میں پندرہ ہزار الفاظ بھی نہ تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ سائنس کی ترقی کا دار و مدار اس پر نہیں کہ زبان میں پہلے سے سائنسی تدریس کے لیے الفاظ کا کتنا ذخیرہ موجود ہوتا ہے بلکہ خود سائنس کی ترقی اس ملک کی زبان کے ذخیرے میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ جس چیز کو ہم نے مقدم سمجھ رکھا ہے وہ مقدم نہیں۔ یہی حال جرمن اور فرانسیسی کا ہے۔ روسی زبان اور روس میں سائنس کی ترقی تو اس کے بھی بعد کے دور میں ہوئی۔

دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو جو اُردو کا مقابلہ کر سکے۔ اس میں نئے الفاظ کے قبول کرنے کی بڑی صلاحیت ہے اور اپنی ساخت اور





مزاج کے باعث غیر زبانوں کے الفاظ اور اصطلاحات بھی اس میں بلا تکلف گھل مل جاتے ہیں۔ اس لیے اگر اس کو جدید علوم و فنون کی تعلیم اور تدریس کے لیے اختیار کیا جائے تو یہ اس فرض کو ادا کر سکتی ہے۔ زبان کی ترقی کی جس منزل میں جس قسم کے خیالات کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے اسی قسم کے الفاظ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ الفاظ پہلے پیدا ہو جائیں اور ان سے کام بعد میں لیا جائے۔

اس سلسلے میں ایک اور مسئلہ اصطلاحات علمیہ کا اٹھایا جاتا ہے۔ بلاشبہ علمی زبان بڑی حد تک اصطلاحی زبان ہوتی ہے لیکن یہ اصطلاحات علمی ترقی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ جن ملکوں نے سائنسی علوم میں نمایاں ترقی کی ہے ان میں کسی میں یہ نہیں ہوا کہ پہلے سارے علوم کی اصطلاحات بنائی گئی ہوں اور پھر ان علوم پر کتابیں، مضامین یا مقالات لکھے گئے ہوں بلکہ اصطلاحات ان کتابوں اور مضامین کے ذریعے سے ہی رائج ہوتی ہیں اور پھر معیاری قرار پاتی ہیں۔ اس لیے ضروری بات یہ ہے کہ لوگ پہلے ان علوم پر کتابیں اور مقالے لکھیں اور اپنی ضرورت کے لیے علمی اصطلاحات اختیار کریں۔ اُردو کے لیے علاوہ ان ہندوستانی اور پاکستانی زبانوں اور بولیوں کے، جن سے اس کا قریبی رشتہ ہے، فارسی اور عربی دونہاں اہم ماخذ ہیں جن کے عناصر اور اجزاء اُردو کی ترکیب میں شامل ہیں اور آج بھی اصطلاح سازی میں کام آتے ہیں لیکن یہ خیال کہ پہلے ساری اصطلاحات کا ذخیرہ جمع ہو جائے پھر کتابیں لکھی جائیں تب جا کر اسے ذریعہ تعلیم بنایا جائے، بالکل گھوڑے کے آگے گاڑی جو تنے کے مترادف ہے۔ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ ہمارے سائنس کی کتابوں کے مصنفین کتابیں لکھیں اور دیکھیں کہ ان موضوعات پر پہلے جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس میں سے کتنی اصطلاحات موزوں اور مناسب ہیں، انہیں اختیار کریں۔ اس طرح خود بہ خود اصطلاحات معیاری بنتی چلی جائیں گی۔ یہ مسئلہ چراغ سے چراغ روشن ہونے کا ہے لیکن بڑی بات یہ ہے کہ پہلا چراغ کون روشن کرتا ہے۔

جو لوگ ایمان داری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ قومی زندگی میں قومی زبان کی کیا اہمیت ہوتی ہے، انہیں خلوص کے ساتھ اس کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا چاہیے۔ یہ کام صرف چند ادارے پورا نہیں کر سکتے، نہ محض حکومت کی اعانت اور سرپرستی ان مسائل کو حل کر سکتی ہے۔ یہ مسئلہ اسی طرح حل ہو سکتا ہے کہ اسے ایک قومی تحریک کی طرح چلایا جائے۔ اس کے لیے رائے عامہ تیار کی جائے۔ ہمارے اساتذہ، طلبہ، مصنفین، مولفین، ناشر، تعلیمی حکام، ہمارے صنعتی اور کاروباری ادارے، غرض ہماری قومی زندگی کا شعور رکھنے والا ہر شخص، اپنی اپنی جگہ اس کی کامیابی میں حصہ لے۔

(آج کا اُردو ادب)





مشق

سبق ”کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں“ کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

- i ”ذریعہ تعلیم“ اصطلاح کی وضاحت کریں۔
- ii برصغیر میں فارسی زبان کی صورت حال کیا تھی؟
- iii اُردو کی ترویج میں سب سے پہلے کس نے بنیادی کردار ادا کیا؟
- iv ”اُردو زبان میں علمی، فنی اصطلاحات کی کمی ہے۔“ یہ اعتراض کہاں تک درست ہے؟
- v وہ کون سی اقوام ہیں جنہوں نے اپنی قومی زبان میں سائنس سمیت ہر میدان میں ترقی کی؟
- vi اُردو زبان کے دواہم ماخذ کون سی زبانیں ہیں؟

درست جوابات کی نشان دہی کریں:

2

- ”اس کی حیثیت ایک اجنبی اور غیر ملکی زبان کی نہ تھی۔“ اس بیان میں اشارہ ہے:
- i (الف) عربی کی طرف (ب) فارسی کی طرف (ج) اُردو کی طرف (د) دکن کی طرف
 - ii جس زبان کے اثر و اقتدار نے اُردو کی ترقی کو روک رکھا، وہ ہے:
 - iii (الف) انگریزی (ب) فارسی (ج) عربی (د) ہریانوی
 - iv اُردو زبان کو درباروں میں سلاطین اور امرا کی سرپرستی حاصل ہوئی:
 - v (الف) دہلی کے (ب) لکھنؤ کے (ج) دکن کے (د) گولکنڈہ کے
 - vi نادان دوستوں کے بقول، اگر قوم نے انگریزی زبان کا سایہ عاطفت چھوڑا تو یہ قوم بن ہو جائے گی:
 - vii (الف) مفلس (ب) بدتہذیب (ج) بے ہنر (د) بدعقید
 - viii اُردو کی ترقی سے قبل، ہماری علمی زبان تھی:
 - ix (الف) انگریزی (ب) فارسی (ج) فارسی اور عربی (د) عربی
 - x نئے الفاظ کے قبول کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے:
 - xi (الف) عربی زبان میں (ب) فارسی زبان میں (ج) اُردو زبان میں (د) انگریزی زبان میں

سبق ”کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں“ کا خلاصہ تحریر کریں۔

3





4 درج ذیل الفاظ، تراکیب کے معنی لغت سے تلاش کر کے لکھیں:

آبیاری کرنا	تصنیف و تالیف	ثانوی زبان	ارباب بصیرت
اصطلاحات	تنوع	مرہون منت	سایہ عاطفت

5 ”عالمی سطح پر اردو زبان کی مقبولیت کے اسباب“ کے موضوع پر ایک جامع مضمون قلم بند کریں۔

6 علمی، ادبی زبان اور روزمرہ کی عملی زبان میں کیا فرق ہے؟ مثالوں سے واضح کریں۔

7 اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں:

تصور متفقہ مرتب علوم مقدم ساقط شعور

8 مندرجہ ذیل پیرا گراف کی تشریح کریں اور خط کشیدہ الفاظ کے معانی و مفہوم بھی لکھیں:

”جو لوگ ایمان داری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ قومی زندگی میں قومی زبان کی کیا اہمیت ہوتی ہے انھیں خلوص کے ساتھ اس کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا چاہیے۔ یہ کام صرف چند ادارے پورا نہیں کر سکتے، نہ محض حکومت کی اعانت اور سرپرستی ان مسائل کو حل کر سکتی ہے۔ یہ مسئلہ اسی طرح حل ہو سکتا ہے کہ اسے ایک قومی تحریک کی طرح چلایا جائے۔ اس کے لیے رائے عامہ تیار کی جائے۔“

9 درج ذیل پیرا گراف کا بغور مطالعہ کریں اور دیے گئے سوالات کے جوابات تحریر کریں:

منشیات ایک سماجی اور انسانی المیہ ہے جو نہ صرف فرد کی صحت کو تباہ کرتا ہے بلکہ خاندان اور معاشرے کو بھی عدم استحکام سے دوچار کرتا ہے۔ منشیات کے استعمال سے نوجوان نسل کی تعلیم، روزگار اور مستقبل تاریک ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ حکومتوں اور سماجی اداروں کی جانب سے منشیات کی روک تھام کے لیے آگاہی مہم، سخت قوانین اور بحالی مرکز قائم کیے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود منشیات کا پھیلاؤ ایک بڑا چیلنج بنا ہوا ہے۔ والدین اساتذہ اور قومی و سیاسی رہنماؤں کو مل کر نوجوانوں کو منشیات کی لعنت سے بچانے کے لیے مثبت سرگرمیوں کی طرف راغب کرنا ہوگا۔

سوالات

- ۱۔ منشیات کے استعمال کے کیا نقصانات ہو سکتے ہیں؟
- ۲۔ منشیات کی روک تھام کے لیے کون سے اقدامات کرنے چاہئیں؟
- ۳۔ بحالی مراکز کی کیا اہمیت ہے؟
- ۴۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر منشیات کی روک تھام کے لیے کیا کچھ کیا جاسکتا ہے؟



ترجمہ نگاری، کسی زبان میں لکھے ہوئے مواد کو دوسری زبان میں تبدیل کرنے کا ایسا عمل ہے کہ مفہوم اور جذبات اصل متن (Text) کے مطابق ہوں۔ یہ ایک فن ہے، جس میں نہ صرف زبان کی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ زندگی کے دیگر پہلوؤں کی بھی گہری سمجھ بوجھ ضروری ہے۔

ترجمہ نگاری کا استعمال مختلف مقاصد کے لیے کیا جاتا ہے۔ اچھے ترجمے کے لیے ضروری ہے کہ مترجم دونوں زبانوں میں مہارت رکھتا ہو اور اصل متن کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے اس کا مؤثر ترجمہ کر سکے۔ ترجمہ کرتے وقت چند باتوں کا خیال رکھیں:

- ✿ اصل متن کو اچھی طرح سمجھیں۔
- ✿ ترجمہ کرتے ہوئے مقامی ثقافتی اقدار کو مد نظر رکھیں۔
- ✿ مخصوص اصطلاحات کا درست ترجمہ کریں۔
- ✿ ترجمہ میں زبان و بیان اور ربط و تسلسل کا خیال رکھیں۔

10 اوپر دی گئی ہدایات کے مطابق درج ذیل انگریزی عبارت کا اردو میں ترجمہ کریں۔

The greatness of labour lies in its ability to transform ideas into reality and dreams into achievements. Through hardwork and dedication, individuals can innovate and create solutions that drive progress and improve lives. Labour not only provides the means for personal growth and self-sufficiency but also contributes to the development of communities and societies. It embodies the spirit of perseverance and the pursuit of excellence, demonstrating that through effort and determination, remarkable accomplishments are possible.

سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ کسی سائنسی موضوع پر اردو زبان میں معلومات جمع کریں۔
- ”اردو میری پہچان“ کے موضوع پر تقریر لکھیں اور کلاس میں پیش کریں۔
- ”اردو بطور ذریعہ تعلیم“ کے موضوع پر استدلال کریں۔
- بابائے اردو مولوی عبدالحق کی خدمات اور کارناموں کے بارے میں جاننے کے لیے دستاویزی فلم دیکھیں اور بعد میں اس پر گفت گو کریں کہ آپ اردو کی ترویج اور ترقی کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔
- اردو کی ترقی میں جن صوفیا کرام نے کلیدی کردار ادا کیا، ان کے بارے میں معلومات لائبریری اور انٹرنیٹ کی مدد سے جمع کریں۔

اشارات تدریس

- طلبہ کو اردو زبان کے آغاز، ترقی اور ترویج و اشاعت کی تاریخ کے بارے میں بتائیں۔
- طلبہ کو بتائیں کہ اردو دنیا کی بڑی زبانوں میں شامل ہے۔
- طلبہ کو بتائیں کہ زندہ قومیں ہمیشہ اپنی زبان میں علم حاصل کر کے ترقی کی منازل طے کرتی ہیں۔
- ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی اردو زبان کی ترویج کے حوالے سے خدمات بیان کریں۔
- اردو کی ترقی اور فروغ کے لیے کام کرنے والے چند سرکاری اداروں کا تعارف کروائیں۔
- آزادی کے حصول کے بعد بھی ہماری قوم پر انگریزی زبان کیوں مسلط ہے؟ اردو کی راہ میں حائل رکاوٹوں پر گفت گو کریں۔



نظیر اکبر آبادی

(۱۷۳۵ء - ۱۸۳۰ء)

نظیر کا اصل نام، ولی محمد ہے۔ آپ رتی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے مگر چوں کہ عمر کا زیادہ حصہ اکبر آباد (آگرہ) میں گزارا، اس لیے اپنے نام کے ساتھ اکبر آبادی لکھتے تھے۔ بارہ بھائیوں میں صرف نظیر زندہ بچے، اس لیے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھے۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے کے وقت اپنی ماں اور نانی کو ساتھ لے کر آگرہ پہنچے اور تاج محل کے قریب مکان میں رہنے لگے۔ نظیر کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں، تاہم وہ عربی، فارسی، ہندی اور ہندوستان کی کئی دوسری زبانیں جانتے تھے۔ ان کا مزاج قلندرانہ تھا۔ اسی مزاج کی وجہ سے وہ اُمرا اور بادشاہوں کے درباروں سے دُور رہے۔ نواب سعادت علی خان نے انھیں لکھنؤ بلوایا، وہ نہ گئے۔ اسی طرح بھرت پور کے رئیس کی دعوت بھی ٹھکرا دی۔ متھرا میں کچھ عرصہ معلم رہے مگر جلد ہی نوکری چھوڑ کر آگرہ آگئے اور سترہ روپے ماہوار پر لالہ بلاس رام کے بچوں کے اتالیق ہو گئے۔ نظیر نے طویل عمر پائی۔ آخری عمر میں فالج کے عارضے میں مبتلا ہوئے اور اسی بیماری کے باعث انتقال کیا۔

نظیر اکبر آبادی نے میر و سودا، ناسخ و آتش اور انشاء، جرأت کا زمانہ دیکھا، مگر اپنی آزاد طبیعت کے باعث، سب سے الگ رہے۔ اُن کی شاعری عوامی ہے۔ انھوں نے اپنے قُرب و جوار کے ماحول، اپنے عہد کے رسم و رواج اور تہذیب و تمدن کو بڑی عمدگی کے ساتھ اپنی شاعری میں ڈھالا ہے۔ انھوں نے شعر و سخن کے لیے ایسے موضوعات کا انتخاب کیا، جن کا تعلق براہ راست عوام الناس، بالخصوص غریب اور مفلس طبقے سے ہے۔ ان کی نظموں میں مناظر فطرت، مذہبی تہوار، سماجی رسوم، میلوں ٹیلیوں، جانوروں حتیٰ کہ پھلوں اور سبزیوں کا جابجا ذکر دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے اردو نظم گوئی کے دامن کو وسیع کیا اور طویل اخلاقی اور اصلاحی نظمیں لکھیں۔ ان کے علاوہ مناظر فطرت، موسموں اور تہواروں پر ان کی نظمیں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ نظمیں ان کے غیر معمولی مشاہدے اور زندگی کے گہرے تجربوں کی عکاس ہیں۔ نظیر کی زبان عام فہم اور سادہ ہے۔ اُن کی شاعری کا کلیات اُردو ادب میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔





آدمی نامہ

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو نظیر اکبر آبادی کی عوام دوست فکر سے روشناس کرنا
- سماجی نا انصافی، امیر، غریب کی تفریق کا شعور دینا
- نظیر اکبر آبادی کی عوامی شاعری اور ان کے موضوعات پر روشنی ڈالنا
- مجاز مرسل اور کنایہ کا تصور واضح کرنا

دنیا میں پادشاہ ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
 اور مُفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
 زردار، بے نوا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
 نعمت جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
 ٹکڑے جو مانگتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
 ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے
 مُنکر بھی آدمی ہوئے اور کُفر کے بھرے
 کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کیے
 حتیٰ کہ اپنے زُہد و ریاضت کے زور سے
 خالق سے جا ملا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون^(۱) نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
 شداد^(۲) بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
 نمرود^(۳) بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا
 یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا

یاں تک جو ہو چکا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

(۱) فرعون، مصر کا بادشاہ مگر رہا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی خدائی کو لاکارا، آخر کار غرقِ آب ہو کر مرا۔

(۲) شداد نے باغِ ارم کے نام سے جنتِ ارضی بنائی تھی۔

(۳) نمرود بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا حکم دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا۔ نمرود کا بہت عبرت ناک انجام ہوا۔





یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
 اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
 پگڑی بھی آدمی کی ، اُتارے ہے آدمی
 چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
 اور سُن کے دوڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کینے سے لے شاہ تا وزیر
 ہیں آدمی ہی صاحبِ عزّت بھی اور حقیر
 یاں آدمی خرید ہیں اور آدمی ہی پیر
 اچھا بھی آدمی ہی کہتا ہے اے نظیر
 اور سب میں جو بُرا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

(کلیاتِ نظیر)

مشق

نظم ”آدمی نامہ“ کے متن کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- i نظم ”آدمی نامہ“ کس ہیئت میں تخلیق کی گئی ہے؟
- ii فرعون، شداد اور نمرود کون تھے اور ان کی وجہ شہرت کیا رہی ہے؟
- iii دنیا میں امیر و غریب اور اعلیٰ و ادنیٰ کا فرق کیوں ہے؟
- iv ”زُہد و ریاضت“ کی وضاحت کریں۔
- v ”پگڑی اُتارنا“ قواعد کی رُو سے کیا ہے؟ اس جملہ کا مطلب بھی لکھیں۔

درست جوابات کی نشان دہی کریں:

نظیر اکبر آبادی کی شاعری ہے:

(الف) رومانوی (ب) کلاسیکی (ج) درباری (د) عوامی

”آدمی نامہ“ کا بنیادی موضوع ہے:

(الف) عشق و محبت (ب) دین و مذہب (ج) تفریقِ انسانیت (د) جزا و سزا



”اعلیٰ، ادنیٰ“ کی تقسیم ہے:

iii

(الف) فطری (ب) قدرتی (ج) سماجی (د) قانونی

”پگڑی اتارنا“ کا مطلب ہے:

iv

(الف) دھوکے سے مال لینا (ب) عزت بگاڑنا (ج) مذاق کرنا (د) سرنگا کرنا

”جان واریا“ قواعد کی رُو سے ہے:

v

(الف) ضرب المثل (ب) روزمرہ (ج) محاورہ (د) ترکیب لفظی

نظم ”آدمی نامہ“ کا اپنے الفاظ میں خلاصہ تحریر کریں۔

3

درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معانی لغت سے تلاش کر کے لکھیں:

4

مُنکر کشف و کرامات رُہد و ریاضت تنغ اشراف حقیر

دیے گئے الفاظ کی مدد سے مصرعے مکمل کریں:

5

(شدّاد، فرعون)

_____ نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا

i

(نعمت، کھانا)

_____ جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

ii

(مالک، خالق)

_____ سے جا ملا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

iii

(فقیر، گدا)

اور مفلس و _____ ہے سو ہے وہ بھی آدمی

iv

(بارہا، بر ملا)

نمرود بھی خدا ہی کہا تا تھا _____

v

نظم ”آدمی نامہ“ کے قوافی اور ردیف کی فہرست تیار کریں۔

6

ان الفاظ پر اعراب لگا کر تعلقّظ واضح کریں:

7

کفر

صاحب

اشراف

نمرود

قطب

نعمت





کالم ”الف“ میں دیے گئے الفاظ کو کالم ”ب“ کے مترادف الفاظ سے ملائیں۔

کالم: ب	کالم: الف
جنت	بادشاہ
تقویٰ	مُفلس
شمشیر	بہشت
قلّاش	تنغ
سلطان	جھوٹ
دروغ	زُبد

مجازِ مرسل

اگر کسی لفظ کو حقیقی یا لغوی معنی کے بجائے غیر حقیقی یا مرادی معنوں میں استعمال کیا جائے اور حقیقی و مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق نہ ہو، مگر کوئی تعلق ضرور ہو اور کسی ایک چیز کا نام لے کر مراد کوئی دوسری چیز لی جائے تو اسے مجازِ مرسل کہا جائے گا۔ اس کی کئی صورتیں ہیں مثلاً: جزو کہ کرکُل مراد لینا، کُل کہ کر جزو مراد لینا، ظرف کہ کر مظرف مراد لینا، مظرف کہ کر ظرف مراد لینا، سبب کہ کر مسبب مراد لینا وغیرہ۔

مثالیں

(الف) فاتحہ پڑھیے۔ اس سے مراد پوری سورۃ الفاتحہ ہے، نہ کہ صرف لفظ فاتحہ۔	(ب) احمد چکی سے آنا پسوالا لیا۔ گندم پسوالی جاتی ہے اور یہاں ”آنا“ سے مراد گندم ہے۔
(ج) کرسی ٹوٹ گئی ہے۔ کرسی کا کوئی ایک حصہ ٹوٹا ہوگا۔	(د) آگ جل رہی ہے۔ حالاں کہ لکڑیاں جل رہی ہوتی ہیں۔
(ه) دودھ آگ پر رکھ دیں۔ اس سے مراد دودھ نہیں، بلکہ دودھ کا برتن چولھے یا آگ پر رکھنا ہے۔	(و) قلم کی طاقت تلوار سے زیادہ ہے۔ قلم کا لفظ علم اور اہل علم کو بیان کرتا ہے، تلوار سے مراد اہل حرب ہیں۔



کنایہ

کنایہ کے لغوی معنی بات کو چُھپا کر کرنے کے ہیں۔ کنایہ ایسے لفظ یا الفاظ کے مجموعے کو کہا جاتا ہے، جو مجازی یا غیر حقیقی معنوں کے لیے استعمال کیے جائیں، مگر اصل اور حقیقی معنوں میں بھی یہ الفاظ استعمال کیے جائیں تو بھی درست معانی دیں، یہی کنایہ کی خوبی ہے۔ جیسے:

(الف) اس کو کالے نے کاٹا۔

• کالا یہاں سانپ کا کنایہ ہے۔

(ب) اپنے سفید بالوں کا ہی کچھ خیال کرو۔

• سفید بال یہاں بڑھاپے کے لیے کنایہ ہیں۔

(ج) جب سے چولھا ٹھنڈا ہوا کسی درشتے دار نے خبر نہ لی۔

• چولھا ٹھنڈا ہونا غربت کے لیے کنایہ ہے۔

(ہ) وہ بڑا تنگ دل ہے۔

• تنگ دل کنجوس آدمی کے لیے کنایہ ہے۔

مخمس ایسی نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کی زیر مطالعہ نظم ”آدمی نامہ“، مخمس کی مثال ہے۔

مخمس

سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ فرضی طور پر نظیر اکبر آبادی کے نام ایک خط لکھیں جس میں عہد حاضر کی سماجی برائیوں کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ یہ خط اپنی جماعت میں سنائیں۔
- طلبہ نظم ”آدمی نامہ“ کا کوئی ایک بند یاد کریں اور زبانی سنانے کی مشق کریں۔
- طلبہ نظم ”آدمی نامہ“ کی روشنی میں ”اچھے اور مثالی انسان“ کی خصوصیات پر ایک چارٹ تیار کریں اور جماعت میں آویزاں کریں۔
- جماعت کے کمرے میں ”فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا“ کے موضوع پر مذاکرہ کریں۔

اشاراتِ تدریس

- نظیر اکبر آبادی کے عہد اور ان کے شعری اسلوب پر کلیدی گفتگو کریں۔
- طلبہ سے ماضی اور حال کے آئینے میں سماجی مسائل کے حوالے سے سوالات کریں اور ان سے جوابات بھی اخذ کریں۔
- طلبہ کو خود احتسابی کی ترغیب دیں۔
- طلبہ کو نظم کی آڈیو ویڈیو ریکارڈنگ سنائیں۔
- طلبہ کو زیر مطالعہ نظم کے حوالے سے اہم تعلیمات یعنی ”باغِ ارم“ اور ”آتشِ نمرود“ وغیرہ سے روشناس کرائیں۔



میر بر علی انیس

(۱۸۰۲ء - ۱۸۷۳ء)

میر بر علی انیس فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ سے حاصل کی اور فنِ شعر میں اپنے والدِ گرامی میر خلیق سے لکنا سیکھا۔ جب اودھ کا دار الحکومت فیض آباد سے لکھنؤ منتقل ہوا تو ان کا پورا خاندان لکھنؤ چلا آیا۔ شاعری، میر انیس کے گھر کی میراث تھی اور اس گھرانے کی زبان کو سند کا درجہ حاصل تھا، جیسا کہ شیخ امام بخش ناسخ نے کہا ہے:

”زبان سیکھنا ہو تو میر خلیق کے خانوادے میں جاؤ۔“

میر انیس کے پردادا، میر ضاحک بھگو کوئی میں، ان کے دادا میر حسن مثنوی کے میدان میں اور والد، میر خلیق مرثیہ گوئی میں باوقار مقام کے حامل ہیں۔ میر انیس مرثیے کے حوالے سے فخر کا اظہار کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پُشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں

انیس کا خاندان، زبان کی صحت و سلاست کی طرف خاص طور پر توجہ دیتا تھا۔ انھوں نے مرثیہ گوئی میں وہ کمال حاصل کیا اور اردو مرثیے کو بیانیہ شاعری کا ایسا اعلیٰ نمونہ بنادیا کہ ان کی شاعری کو دنیا کی کسی بھی بیانیہ شاعری کے مقابلے میں اعتماد سے رکھا جا سکتا ہے۔ مصوٰر رنگوں سے تصویریں بناتا ہے مگر میر انیس نے لفظوں سے جو مرقع نگاری کی ہے، وہ چشمِ تصور کی عمدہ ترین تصویریں ہیں۔ میر انیس نے غزلیں بھی کہی ہیں، سلام بھی اور ان کی رباعیوں کی تعداد بھی خاصی ہے مگر وہ مرثیہ کہنے کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے ہر مرثیے کا آغاز دل کش لفظی منظر کشی سے ہوتا ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے میر انیس کو صفائی کلام، لطیف زبان، چاشنی محاورہ، خوبی بندش، حسن اُسلوب اور طرزِ ادا میں لاجواب لکھا ہے۔ ان کے مرثیے ”مراثی انیس“ کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔





نمودِ صُبح

تدریسی مقاصد

- میر انیس کی مرثیہ نگاری سے روشناس کرتے ہوئے مرثیہ کے اجزائے ترکیبی کی توضیح کرنا
- طلبہ کو اسلامی تہذیب، اخلاقی اقدار اور جذبہ شہادت سے آگاہ کرنا
- طلبہ کو مشکل الفاظ و تراکیب، تشبیہات و استعارات اور صنائع و بدائع کے بارے میں بتانا
- میر انیس کی زبان عربی، فارسی اور اردو کا حسین امتزاج ہے، ان خصوصیات کے حوالے سے طلبہ کو آگاہی دینا

طے کر چکا جو منزلِ شب، کاروانِ صُبح
 ہونے لگا اُفق سے ہُویدا، نشانِ صُبح
 گردوں سے کُوج کرنے لگے، اخترانِ صُبح
 ہر سُو ہوئی بلند، صدائے اداںِ صُبح

پنہاں نظر سے، رُوئے شب تار ہو گیا
 عالم تمام، مطلعِ النوار ہو گیا

خورشید نے جو، رُخ سے اُٹھائی نقابِ شب
 دَر کھل گیا سحر کا، ہوا بند بابِ شب
 انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب
 دفتر کُشائے صُبح نے اُلٹی کتابِ شب

گردوں پہ رنگِ چہرہ مہتاب فق ہوا
 سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا





یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں
چُن لے چمن سے پھولوں کو جس طرح، باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں
مُر جھا کے رہ گئے ثمر و شاخِ کہکشاں

دکھلائے طورِ بادِ سحر نے سُموم کے
پشمرده ہو کے رہ گئے ، غُنجے نُجوم کے

چُھپنا وہ ماہتاب کا وہ صُبح کا ظُہور
یادِ خدا میں زمزمہ پردازِ طُیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا ، وہ فضا ، وہ نُور
خُشکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سُور

انساں زمیں پہ محو، ملک آسمان پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

وہ سُرخِ شفق کی اُدھر چرخ پر بہار
وہ بارورِ درخت ، وہ صحرا ، وہ سبزہ زار
شبِ نیم کے وہ گلوں پہ گہر ہائے آب دار
پھولوں سے سب بھرا ہوا دامنِ کوہ سار

نافہ کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سردِ سرد وہ جھونکے نسیم کے

(مراثی انیس)





مشق

نظم ”نمود صبح“ کے متن کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

i ”مسدّس“ نظم میں کل کتنے مصرعے اور اشعار ہوتے ہیں؟

ii میرا نئیس کی وجہ شہرت کس صنفِ ادب میں ہے؟

iii ”مرثیہ“ کے اجزائے ترکیبی لکھیں۔

iv ”زَمزمہ پر دلائی طُور“ کی وضاحت کریں۔

v شبنم کے قطروں کو کس سے تشبیہ دی گئی ہے؟

vi ”دامانِ کوہ سار“ کس سے بھرا ہوا تھا؟

vii ہرزبان پہ کس کا ذکر تھا؟

2 درست جوابات کی نشان دہی کریں۔

i نظم ”نمود صبح“ کے شاعر ہیں:

(الف) میرا نئیس (ب) مرزا دبیر (ج) میرزا حاکم (د) میرحسن

ii ”نمود صبح“ مرثیے کے کس جز/رکن میں شامل ہے:

(الف) سراپا (ب) دعا (ج) چہرہ (د) رزم

iii نظم ”نمود صبح“ کی ہیئت ہے:

(الف) مخمس (ب) مسمط (ج) مُشتمل (د) مسدّس

iv ”اذانِ صبح“ اور ”مطلعِ انوار“ کا ذکر بند میں موجود ہے:

(الف) پہلے (ب) دوسرے (ج) تیسرے (د) چوتھے

v میرا نئیس نے ”فلک“ کو تشبیہ دی ہے:

(الف) خوب صورت دلہن سے (ب) بوڑھے بزرگ سے (ج) خیمے سے (د) گلشن سے

vi آسمان پر یادِ خدا میں مصروف تھے:

(الف) پرندے (ب) انسان (ج) جن (د) فرشتے

3 نظم ”نمود صبح“ کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے الفاظ میں خلاصہ تحریر کریں۔





نظم میں استعمال ہونے والے درج ذیل مرکبات کے معانی لکھیں:

4

منزلِ شب کاروانِ صبح گلشنِ فلک اخترانِ صبح رُوئے شبِ تار
مطلعِ انوار گلِ مہتاب ثمر و شاخِ کہکشاں گہرہائے آبِ دار بادِ سحر

درست لفظ کی مدد سے مصرعے مکمل کریں:

5

(شب، دشوار)

طے کر چکا جو منزل۔۔۔۔۔ کاروانِ صبح

i

(تجلیات، انوار)

عالم تمام مطلع۔۔۔۔۔ ہو گیا

ii

(طیور، ستارے)

یوں گلشنِ فلک سے۔۔۔۔۔ ہوئے رواں

iii

(بہار، شام)

آئی۔۔۔۔۔ میں گلِ مہتاب پر خزاں

iv

(وطن، خدا)

یاد۔۔۔۔۔ میں زمزمہ پردازِ طیور

v

(قلب، دل)

خونکی ہو جس سے چشم کو اور۔۔۔۔۔ کو سُور

vi

نظم ”نمودِ صبح“ میں تشبیہات و استعارات کی نشان دہی کریں۔

6

درج ذیل اشعار کی تشریح شعری محاسن کے ساتھ کریں:

7

وہ سرخیِ شفق کی ادھر چرخ پر بہار

وہ بارور درخت، وہ صحرا، وہ سبزہ زار

شبِ نیم کے وہ گلوں پہ گہرہائے آبِ دار

پھولوں سے سب بھرا ہوا دامنِ کوہِ سار

نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شیم کے

آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

مرثیہ

مرثیہ کا لفظ ”رِثَا“ سے نکلا ہے، اس کا معنی ہے: میت پر بین کرنا۔ اصطلاح میں وہ نظم مرثیہ کہلاتی ہے جو کسی کی موت پر غم کے اظہار کے طور پر لکھی جائے اور اس میں مرنے والے کے اوصاف بھی بیان کیے جائیں۔ تاہم اب مرثیہ سے ایسی نظم مراد لی جاتی ہے جس میں میدانِ کربلا کے واقعات، شہیدانِ کربلا کی بہادری اور ان کی شہادت پر غم کا اظہار کیا گیا ہو۔





مرثیہ کے اجزائے ترکیبی

- چہرہ یہ حصہ حمد یہ کلام پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس میں قدرتی مناظر اور موسم کا ذکر بھی ہوتا ہے۔
- سراپا مظلوم کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں کا حلیہ اور پیکر بیان کیا جاتا ہے۔
- رُخصت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے رُخصت ہونے کا منظر جذباتی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔
- آمد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو میدانِ جنگ میں آتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔
- رجز اس حصے میں یزیدی لشکر کو لاکاراجاتا ہے اور فخریہ انداز میں اپنا حسب نسب بیان کیا جاتا ہے۔
- رزم لڑائی کے واقعات، تگواروں کی کاٹ اور گھوڑوں کی دوڑ کا بیان ہوتا ہے۔
- شہادت اس حصے میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کو پُر درد انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔
- بکین اور دُعا آخری حصے میں شہیدانِ کربلا کی شہادت پر ماتم کیا جاتا ہے اور دُعا مانگی جاتی ہے۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ صبح کے دل کش مناظر کے بارے میں مکالمہ کریں۔
- طلبہ نظم کا مطالعہ کریں اور اہم الفاظ و تراکیب، اشعار کے معنی و مفہوم تک رسائی حاصل کریں اور آپس میں گفت گو کریں۔
- طلبہ نظم ”نموذج“ میں بیان کیے گئے مناظر کی تصویر کشی کریں۔
- طلبہ کسی دوسرے شاعر (مثلاً: علامہ محمد اقبالؒ، فیض احمد فیض، جوش ملیح آبادی وغیرہ) کی صبح کے بارے میں نظم پڑھیں اور دونوں نظموں کا موازنہ کریں۔

اشاراتِ تدریس

- طلبہ کو نظم ”نموذج“ پڑھتے ہوئے صبح کا منظر ذہن میں لانے کی ترغیب دیں۔
- طلبہ کے گروپ بنوائیں اور باہمی گفت گو سے نظم کی تشریح کروائیں۔
- طلوعِ صبح، صبحِ خیزی اور فطرت سے دوڑتی کے موضوعات پر بات چیت کے لیے طلبہ کو ابھاریں۔
- میراثی کی شخصیت، شاعری اور ان کی وجہ شہرت پر گفت گو کریں۔
- مرثیہ کے ارکان ترتیب سے لکھیں اور ان کی ایک ایک مثال میراثی کے مرثیہ میں سے نوٹ کریں۔
- طلبہ کو مرثیہ کی صنف کا بھرپور تعارف کراتے ہوئے ارکانِ مرثیہ ازبر کرائیں۔ ہر رکن مثالوں سے واضح کریں۔





علامہ محمد اقبال

(۱۸۷۷ء - ۱۹۳۸ء)

ہمارے قومی اور ملی شاعر، مفکر اور نظریہ پاکستان کے خالق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم سیال کوٹ سے حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے فلسفے میں ایم اے کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ گئے اور وہاں سے بارہٹ لا اور فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ وطن واپسی پر وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۳۰ء میں خطبہ الہ آباد میں مسلمانوں کے لیے ایک الگ ملک کا نظریہ پیش کیا۔ ۱۹۳۸ء میں انتقال ہوا اور لاہور میں بادشاہی مسجد کے قریب دفن ہوئے۔

علامہ اقبال نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں پُر اثر اور پُر سوز شاعری کی۔ انھوں نے اپنی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا مگر بعد میں زیادہ تر توجہ نظم نگاری کی جانب مبذول کر دی کیونکہ قوم تک اپنا پیغام پہنچانے کا یہ زیادہ مؤثر ذریعہ تھا۔ علامہ اقبال کا دائرہ فکر، مشاہدہ کائنات اور مطالعہ بہت وسیع تھا۔ آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سچے عاشق تھے اور اس چاہت و عقیدت کا اظہار ان کے کلام میں دکھائی دیتا ہے۔

اقبال نے روایتی عشق و عاشقی کے موضوعات سے ہٹ کر اپنی شاعری میں زندگی، کائنات، خدا، ابلیس، عقل و خرد، تصوف، قومیت، مرد و مومن، سیاست و مملکت اور خودی و بے خودی کا فلسفہ پیش کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ عظیم شاعر اور فلسفی مدتوں بعد پیدا ہوتا ہے۔ ”بانگ درا“، ”بال جبریل“ اور ”ضرپ کلیم“ ان کی اردو شاعری کی کتابیں ہیں۔ ”ارمغانِ حجاز“ میں بھی کچھ اردو نظمیں شامل ہیں جب کہ اس کا غالب حصہ فارسی میں ہے۔ فارسی کے دیگر شعری مجموعوں میں اسرارِ خودی، رموز بے خودی، پیام مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ، پس چہ باید کرد اور ارمغانِ حجاز (فارسی حصہ) شامل ہیں۔





خطاب بہ جوانانِ اسلام

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری میں بیان کردہ موضوعات خودی، عرفانِ ذات، نظریہ عشق اور حرکت و عمل جیسے فلسفیانہ موضوعات سے آگاہ کرنا
- طلبہ کو حریت و آزادی، خود اعتمادی اور مقصدِ حیات کی تعلیم دینا
- طلبہ میں تنقیدی اور تخلیقی سوچ پیدا کرنا تاکہ وہ علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری پر نئے زاویوں سے غور و فکر کرنے کے قابل ہو سکیں
- طلبہ کو استعارہ اور ارکانِ استعارہ سے روشناس کرنا

کبھی اے نوجوانِ مسلم! تدبیر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
گیل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سر دارا
تمدنِ آفریں، خلاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی، شتر بانوں کا گہوارا
سماں ’اَلْفَقْر و فُرّی‘ کا رہا شانِ امارت میں
”بابِ درنگ و خال و خطِ چہ حاجتِ دُورے زیبا“^(۱)

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ مُنعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرائیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

(۱) خوب صورت چہرے کو بناؤ سنگاری کی کیا ضرورت! (حافظ شیرازی)





اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فُزوں تر ہے وہ نظارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گُفتار، وہ کردار، تُو ثابت، وہ سیارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
تُجھ سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مُسلم سے کوئی چارا

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

”غنی! روزِ سیاہ پیر کنعاں را تماشا گن
کہ نورِ دیدہ اش روشن گند چشمِ زلیخا را“ (۲)

(بانگ درا)

مشق

نظم ”خطاب بہ جوانانِ اسلام“ کے متن کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

i ”خطاب بہ جوانانِ اسلام“ کے کیا معنی ہیں؟

ii علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان نوجوان کو ”ٹوٹا ہوا تارا“ کیوں کہا ہے؟

iii صحرائے عرب میں کیسا انقلاب آیا تھا؟

iv علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے زوال کی کیا وجوہات بتائی ہیں؟

v فکرِ اقبال کی روشنی میں ”نفقہ“ کی دو خصوصیات لکھیں۔

(۲) اے غنی! پیر کنعان (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے سیاہ دن کا اندازہ اس بات سے کر کہ اُن کی آنکھوں کا نور (حضرت یوسف علیہ السلام) زلیخا کی آنکھوں کو روشن کر رہا تھا۔





درست جوابات کی نشان دہی کریں:

2

نظم ”خطاب بہ جوانانِ اسلام“ میں فارسی شعر شامل ہے، اس شعر کے خالق ہیں:

i

- (الف) فردوسی (ب) منوچہری
(ج) حکیم سنائی (د) غنی کاشمیری

مشہور بادشاہ ”دارا“ کا تعلق تھا:

ii

- (الف) قدیم یونان سے (ب) قدیم ایران سے
(ج) قدیم روم سے (د) قدیم مصر سے

اسلاف کی میراث گنوائے کی وجہ سے آسمان نے ہمیں دے مارا:

iii

- (الف) مرتخ سے زمین پر (ب) چاند سے زمین پر
(ج) ثریا سے زمین پر (د) مشتری سے زمین پر

”ثابت“ اور ”سیارا“ قواعد کی رو سے ہیں:

iv

- (الف) مترادف الفاظ (ب) متضاد الفاظ
(ج) متلازم الفاظ (د) متشابه الفاظ

منعم گوگدا کے ڈر سے یارا نہ تھا:

v

- (الف) سامنا کرنے کا (ب) بولنے کا (ج) بخشش کا (د) عطا کرنے کا

نظم ”خطاب بہ جوانانِ اسلام“ کے نکات پر غور کرتے ہوئے اپنے الفاظ میں خلاصہ تحریر کریں۔

3

”مسلمانوں کا عروج و زوال“ کے موضوع پر ایک مضمون قلم بند کریں اور زوال کی دلدل سے نکلنے کے لیے تجاویز بھی دیں۔

4

نظم کے مقطع میں دیے گئے فارسی شعر میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کی طرف اشارہ ہے۔ اس شعر کی روشنی میں پورا واقعہ جامع انداز میں تحریر کریں۔

5

درج ذیل شعر کی تشریح اس پہلو سے کریں کہ یورپ کی سائنسی ترقی کا دار و مدار مسلمان علما کی کتابوں پر ہے:

6

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سپارا





کالم ”الف“ میں دیے گئے الفاظ کو کالم ”ب“ کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

7

کالم ”الف“	کالم ”ب“
گردوں	بخشش
صحرائے عرب	نظّار
منعم	کتائیں اپنے آبائی
تختیں	شُربان
علم کے موتی	تارا

درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کریں:

8

تدبر	آغوش	جہاں داری	نظّارہ	صحرائیں	گہوارا
------	------	-----------	--------	---------	--------

درج ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر درست تلفظ واضح کریں:

9

منعم	خلاق	ثریا	غیور	میراث
------	------	------	------	-------

استعارہ

جب لفظ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوا اور حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو تو یہ استعارہ کہلاتا ہے۔ جیسے: پھول مہر کا، شیر چنگھاڑا۔ یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ استعارہ میں تشبیہ کی طرح مشبہ، مشبہ بہ اور حرف تشبیہ نہیں ہوتے۔ اوپر دی گئی مثالوں میں پھول کسی بھی خوب صورت اور خوب سیرت شخص کے لیے استعمال ہو سکتا ہے، اسی طرح شیر کسی بھی بہادر اور شجاع شخص کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ تشبیہ میں کسی ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند تو ظاہر کرتے ہیں، لیکن استعارے میں وہ چیز ہی مستعار (ادھار) لے لی جاتی ہے، جس کی خوبی بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے:

پلکوں سے گر نہ جائیں یہ موتی سنبھال لو
دنیا کے پاس دیکھنے والی نظر کہاں

اس شعر میں ”موتی“ استعارہ ہے۔





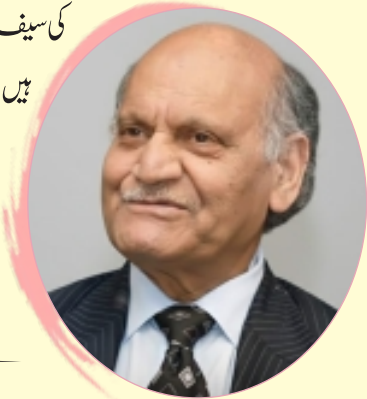
انور مسعود

(پیدائش: ۱۹۳۵ء)

انور مسعود پاکستان کے معروف شاعر، مزاح نگار اور استاد ہیں، جنہوں نے اُردو، پنجابی اور فارسی زبانوں میں شاعری کی ہے۔ ان کی شاعری میں طنز و مزاح کے ساتھ ساتھ معاشرتی مسائل کی عکاسی بھی ملتی ہے جو انہیں ایک منفرد مقام عطا کرتی ہے۔

انور مسعود ۸ نومبر ۱۹۳۵ء کو کجھڑ ضلع گجرات (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم، گجرات اور لاہور میں حاصل کی۔ مالی مشکلات کے باوجود انہوں نے تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور ۱۹۵۸ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے فارسی کی سند امتیاز کے ساتھ حاصل کی، پھر محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ اٹک، چکوال، تلہ گنگ اور ڈیرہ غازی خان کے کالجوں میں تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد گورنمنٹ کالج، سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی میں بھی فارسی کے استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اُردو، پنجابی اور فارسی میں شعر کہتے ہیں۔ اپنی شاعری اور اندازِ بیاں کے سبب خاص و عام میں یکساں مقبول ہیں۔

قطعات کے مجموعے کا نام ”قطعہ کلامی“ ہے۔ دیگر تخلیقات میں ”غنچہ پھر کھلنے لگا“ (۱۹۹۶ء)، ”اک در پچہ اک چراغ“، ”ہُن کیہ کریے“ (۱۹۹۸ء)، ”میلی میلی دھوپ“ (۲۰۰۲ء)، ”درپیش“ (۲۰۰۵ء)، ”حضرت میاں محمد بخشؒ کی سیف الملوک کا دو جلدوں میں نثری ترجمہ“ (۲۰۰۹ء) اور ”روز بروز“ (۲۰۱۰ء) شامل ہیں۔ انہیں پنجابی شاعری کے مجموعے ”میلہ اکھیاں دا“، ”پو پاکستان رائٹرز گلڈ“ (Pakistan Writers Guild) اور ”نیشنل بک فاؤنڈیشن“ (National Book Foundation) کی جانب سے انعام اودان کی ادبی خدمات کے صلے میں انہیں تمغائے حسن کارکردگی سے نوازا گیا۔





وغیرہ

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو طنز و مزاح کی ادبی صنف سے آگاہ کرنا
- طلبہ کو انور مسعود کی مزاحیہ شاعری کی امتیازی خصوصیات کے بارے میں بتانا
- طلبہ کو نظم کے موضوع، اسلوب، ہیئت اور تکنیک سے روشناس کرنا
- طلبہ میں تخلیقی صلاحیتیں ابھارنا
- طلبہ کو اشعار کی تشریح کا طریقہ سکھانا

ہے آپ کے ہونٹوں پہ جو مُسکان وغیرہ
 قربان گئے اس پہ ، دل و جان وغیرہ
 بلی تو یونہی مفت میں بدنام ہوئی ہے
 تھیلے میں تو کچھ اور تھا سامان وغیرہ
 بے حرص و غرض فرض ادا کیجیے اپنا
 جس طرح پولس کرتی ہے چالان وغیرہ
 اب ہوش نہیں کوئی کہ بادام کہاں ہے
 اب اپنی ہتھیلی پہ ہیں دندان وغیرہ
 کس ناز سے وہ نظم کو کہہ دیتے ہیں نثری
 جب اس کے خطا ہوتے ہیں اوزان وغیرہ
 ”جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں“
 گھوڑوں کی طرح پکتے ہیں انسان وغیرہ
 ہر شرٹ کی بُشرٹ بنا ڈالی ہے انور
 یوں چاک کیا ہم نے گریبان وغیرہ

(دیوارِ گریہ۔۔۔ اشعار کے پیچھے)



مشق

1 نظم ”وغیرہ“ کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- نظم ”وغیرہ“ کے مطلع کی نشان دہی کریں۔
- ”بلی کا تھیلے سے باہر آنا“ محاورہ کی وضاحت کریں۔
- ”اوسان خطا ہونا“ کے محاورے کو شاعر نے کس طرح تبدیل کیا ہے؟
- اس نظم میں انور مسعود نے کس نامور شاعر کے مصرعے کی تضمین کی ہے؟
- ”گریبان چاک کرنا“ کس چیز کی علامت ہے؟

2 درست جوابات کی نشان دہی کریں:

- نظم ”وغیرہ“ کے شاعر کا نام ہے:
 - (الف) انور مقصود
 - (ب) انور مسعود
 - (ج) انور تاباں
 - (د) انور سدید
- تھیلے میں تھا:
 - (الف) سامان وغیرہ
 - (ب) بلی وغیرہ
 - (ج) چالان وغیرہ
 - (د) دندان وغیرہ
- ”بادام“ کا ہوش نہیں ہے، کیوں کہ:
 - (الف) بادام خریدنے کے پیسے نہیں
 - (ب) بادام رکھ کر بھول گئے
 - (ج) بادام کڑوے ہیں
 - (د) بادام کھانے کو دانت نہیں رہے
- نظم کو کہہ دیتے ہیں:
 - (الف) نثری
 - (ب) شعری
 - (ج) تمثیلی
 - (د) عروضی
- یوں چاک کیا ہم نے:
 - (الف) پردہ وغیرہ
 - (ب) گریبان وغیرہ
 - (ج) گرتا وغیرہ
 - (د) پرچہ وغیرہ

3 انور مسعود کی نظم ”وغیرہ“ کے مقطع کی وضاحت کریں۔

ہر شرٹ کی بُشرٹ بنا ڈالی ہے انور
یوں چاک کیا ہم نے گریبان وغیرہ



درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کریں:

4

بلی تھیلے سے باہر آنا

ہتھیلی پہ سرسوں جمانا

اوسان خطا ہونا

ہاتھوں کے طوٹے اڑنا

آب دیدہ ہونا

گھوڑے پیچ کر سونا

نظم ”غیرہ“ کا خلاصہ لکھیں۔

5

اس نظم میں شاعر انور مسعود نے ہمارے سماجی اور سیاسی نظام پر طنز کیا ہے، اسے کس طرح ٹھیک کیا جاسکتا ہے؟ اپنے دلائل دیں۔

6

انور مسعود کی مشہور مزاحیہ نظم ”بنیان“ کا اردو میں ترجمہ (نثر کی صورت) کریں۔

7

اشعار کی تشریح کیسے کریں؟

تشریح کے لغوی معنی کھول کر بیان کرنا، واضح کرنا، معانی وغیرہ کی تفہیم، وضاحت، صراحت، تفصیل اور تفسیر کے ہیں۔ نثر پارہ یا شعر کی تشریح بہتر تفہیم کی صورت ہے۔ طلبہ کو چاہیے کہ وہ نظم رنزل کے کسی شعر یا بند کی تشریح کرتے وقت صرف مفہوم تک محدود نہ رہیں بلکہ شاعر کی فنی خوبیوں کو بھی بیان کریں۔ شعر کی تشریح کرتے وقت درج ذیل باتوں کو ذہن نشین رکھیں:

- ✽ سب سے پہلے شعر کو غور سے پڑھیں اور اس کا مفہوم جاننے کی کوشش کریں۔
- ✽ اگر ضروری ہو تو شاعر کا مختصر لفظوں میں تعارف کرائیں۔
- ✽ اگر اشعار میں مشکل الفاظ اور تراکیب دی گئی ہیں تو ان کے معانی درج کریں۔
- ✽ رنزل یا نظم کے اشعار میں جو تشبیہات، استعارات اور صنعتیں وغیرہ استعمال ہوں، ان کی وضاحت کریں۔
- ✽ تلمیحات اگر شعر میں موجود ہوں تو ان کا تاریخی، ثقافتی پس منظر بیان کریں۔
- ✽ شعر میں شاعر کا پیغام یا مقصد بیان کریں کہ شاعر کیا کہنا چاہتا ہے۔
- ✽ شعر کی تشریح کرتے ہوئے ماضی اور حال کے ساتھ اس کا تعلق سمجھنے کی ضرورت کوشش کرنی چاہیے۔
- ✽ آخر میں شعر کے حوالے سے جتنی تشریحی باتیں لکھی ہیں، ان کا خلاصہ لکھ دیں، تاکہ تشریح کو سمیٹتے ہوئے بات کو ختم کیا جاسکے۔

مندرجہ بالا ہدایات کی روشنی میں زیر مطالعہ نظم کے شعر نمبر 6 کی تشریح کریں۔

8





سرگرمیاں برائے طلبہ

- انور مسعود کی چند مشہور مزاحیہ نظموں کا مطالعہ کریں اور دوستوں کو سنائیں۔
- انور مسعود کی زیر مطالعہ نظم کو کارٹون یا تصویر کے ذریعے سے پیش کریں۔
- انور مسعود کی نظم کا کسی دیگر مزاحیہ شاعر کی نظم سے موازنہ کریں۔
- انور مسعود کی کتاب ”روز بروز“ میں شامل درج ذیل قطعہ کو توجہ سے پڑھیں اور سوالات کے جواب دیں:

یہی تدبیر ہے ردِّ بلا کی
بلاؤں سے دعا محفوظ رکھے
وطن کو اس مصیبت سے بچائے
دھماکوں سے خدا محفوظ رکھے

سوالات

- i ”ردِّ بلا“ سے کیا مراد ہے؟
ii دہشت گردی روکنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی گئی ہے؟
iii شاعر نے کس چیز کی دعا کی ہے؟
iv قطعہ کا عنوان تحریر کریں۔

اشاراتِ تدریس

- طلبہ کو انور مسعود کی مزاحیہ شاعری کی نمایاں خصوصیات سے آگاہ کریں۔
- بتایا جائے کہ شاعر کس طرح طنز و مزاح کے روپ میں سماجی برائیوں پر تنقید کرتا ہے۔
- زیر مطالعہ نظم پر طلبہ کی آرا جاننے کی کوشش کریں۔
- طلبہ کو کسی ہلکے پھلکے موضوع پر نظم کہنے کی ترغیب دیں۔
- انور مسعود نے ”نثری نظم“ کہنے والوں پر کس طرح پھبتی کسی ہے؟ وضاحت کریں۔





مرزا اسد اللہ خاں غالب

(۱۷۹۷ء - ۱۸۶۹ء)

اصل نام اسد اللہ خاں اور تخلص غالب ہے۔ آپ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مرزا عبداللہ بیگ ہے۔ غالب کی عمر پانچ برس تھی کہ اُن کے والد، ایک لڑائی میں کام آئے۔ والد کے انتقال کے بعد مرزا کی پرورش ان کے چچا نصر اللہ بیگ کے سپرد ہوئی جو، انگریزی فوج میں ملازم تھے۔ وہ بھی انتقال کر گئے تو یہ اپنی والدہ کے ساتھ دلی آ گئے۔ بچپن میں انھوں نے شیخ معظم سے تعلیم پائی۔ بعد میں انھوں نے عبدالصمد سے فارسی میں مہارت حاصل کی۔ تیرہ برس کی عمر میں ان کی شادی نواب الہی بخش معروف کی بیٹی سے ہوئی۔

مرزا غالب کو پٹنن ملتی تھی جس کے اضافے کے لیے انھوں نے کلکتے کے سفر بھی کیے مگر اس میں اضافہ نہ ہوا۔ چنانچہ معاشی تنگ دستی کی وجہ سے ۱۸۵۰ء میں دربار سے منسلک ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کی وجہ سے پٹنن بھی بند ہو گئی اور شاہی ملازمت بھی جاتی رہی۔ نواب یوسف علی خاں والی رام پور نے سو روپيا ماہوار وظیفہ مقرر کیا جو، تاحیات انھیں ملتا رہا۔

غالب نے اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی۔ اُردو، فارسی شاعری میں اُن کا مقام بہت بلند ہے، جسے سب نے تسلیم کیا ہے۔ وہ بہت زیادہ وسعت نظر رکھتے تھے۔ غالب ہر دور کے اہم شاعر ہیں۔ ان کی فنی عظمت کو ہر ایک نے سراہا ہے۔ اُن کی ہمہ گیر شخصیت کی طرح اُن کی شاعری میں بھی بڑا متنوع اور رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ ان کے ہاں موضوعات کا ایک لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے۔ اُن کی اُردو غزل مضامین کی رنگارنگی، وسعت نظر، تشبیل کی بلندی، پہلوداری، معنی آفرینی، نادر تشبیہات و استعارات، نئے الفاظ و تراکیب، طنز و ظرافت، آفاقیت اور جدت ادا کی بدولت بہت اعلیٰ پایے کی ہے۔ ان خصوصیات کی بدولت انھیں اُردو شاعروں کی اولین صف میں جگہ ملی ہے۔

غالب کی اہم تصانیف میں: ”دیوان غالب (اُردو)“، ”دیوان فارسی“، ”گلِ رعنا“، ”مہر نیم روز“، ”دستنبو“، ”قاطعِ برہان“، ”قادر نامہ“، ”عُوہندی“ اور ”اُردوئے معلیٰ“ شامل ہیں۔



غزل

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو مرزا غالب کے اشعار میں پوشیدہ زندگی، جذبہ عشق اور رنج و الم سے جڑے فلسفیانہ پہلوؤں سے آشنا کرنا
- اردو شاعری میں مرزا غالب کے مقام اور ان کے اثرات کا تعین کرنا
- غالب کے کلام پر مختلف تنقیدی آرا کا موازنہ اور تقابل کرنا
- طلبہ کو غزل اور اس کے لوازم یعنی مطلع، مقطع، قافیہ، ردیف وغیرہ سے روشناس کرنا

بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے
 ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
 اک کھیل ہے اور نگِ سلیمیاں مرے نزدیک
 اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے
 جو نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
 جو وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے
 ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا، مرے ہوتے
 گھستا ہے جہیں خاک پہ دلیا، مرے آگے
 مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
 تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
 ایماں مجھے روکے ہے جو، کھینچے ہے مجھے کفر
 کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے
 ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
 غالب کو برا کیوں کہو، اچھا مرے آگے

(دیوانِ غالب)



مشق

مرزا غالب کی شامل کتاب غزل کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

- i غالب کے نزدیک یہ دنیا ”بازپچہ اطفال“ کیوں ہے؟
- ii ”اورنگ سلیمان“ اور ”انجائ مسیحا“ تلمیحات ہیں، ان کی وضاحت کریں۔
- iii ”حال“ اور ”رنگ“ کا لطیف فرق واضح کریں۔
- iv ”کعبہ“ اور ”کلیسا“ کے الفاظ کن دو تہذیبوں کی علامت ہیں؟
- v مقطع میں مرزا غالب نے اپنے بارے میں کیا کہا ہے؟

درست جوابات کی نشان دہی کریں:

2

- i غالب کے نزدیک یہ دنیا ہے:
- ii (الف) بچوں کا کھیل (ب) دکھوں کا گھر (ج) عیش و عشرت کی جگہ (د) جائے عبادت
- iii ”اک کھیل ہے اورنگ سلیمان مرے نزدیک“ میں صنعت برقی گئی ہے:
- iv (الف) صنعتِ مبالغہ (ب) صنعتِ تضاد (ج) صنعتِ تلمیح (د) صنعتِ تکرار
- v غزل میں ”مرے آگے“ کے لفظ آئے ہیں بطور:
- vi (الف) قافیہ (ب) ردیف (ج) مطلع (د) مصرع
- vii ”جز نام نہیں“ اور ”جز وہم نہیں“ کے الفاظ عیاں کرتے ہیں دنیا کی:
- viii (الف) حقیقت (ب) رونق (ج) دولت (د) زندگی
- ix ”گھستا ہے جیں خاک پہ دریا مرے آگے“ میں صنعت استعمال ہوئی ہے:
- x (الف) صنعتِ حسنِ تعلیل (ب) صنعتِ تلمیح (ج) صنعتِ ایہام (د) صنعتِ تصبیح

غالب کے درج ذیل شعر کی تشریح فلسفیانہ پہلوؤں سے کریں:

3

جُو نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جُو وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

زیر نظر غزل میں غالب کے سائنسی شعور کا پتا ملتا ہے۔ کلام غالب سے مرزا غالب کی جدت پسند شخصیت کا احاطہ کریں۔

4





درج ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں:

5

مشرَب

وہم

عالم

صحرا

اعجاز

بازیچہ

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے جدید سائنسی ترقی دیکھ کر حیرت کا اظہار اس شعر میں کیا تھا کہ:

6

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اس شعر کا موازنہ غالبؒ کی زیر نظر غزل میں شامل دوسرے شعر سے کریں۔

غزل

غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔ اردو میں غزل ایرانی ادب سے آئی۔ غزل شاعری کی وہ صنف ہے، جس میں حسن و عشق کی کیفیات کے ساتھ دیگر موضوعات کو خوب صورت اور پراثر انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ غزل پر کافی تنقید ہوتی رہی ہے لیکن غزل نے ہر دور میں اپنا وقار اور اعتبار برقرار رکھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غزل کے موضوعات میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ جدید غزل کے موضوعات قدیم اور روایتی غزل کے موضوعات سے بہت مختلف ہیں۔ غزل کا یہ اعجاز ہے کہ شاعر بہت بڑے موضوع کو ایک شعر یعنی دو مصرعوں میں سمیٹ لیتا ہے۔ غزل کا ہر شعر اپنی جگہ ایک الگ اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ پوری غزل میں ایک ہی بحر استعمال کی جاتی ہے۔ مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ میر تقی میر، مرزا غالب، مومن خاں مومن، مرزا داغ، حسرت موہانی، جگر مراد آبادی، فیض احمد فیض اور ناصر کاظمی وغیرہ شامل ہیں۔

مطلع

مطلع کے لغوی معنی ”طلوع ہونے کی جگہ“ کے ہیں۔ اصطلاح میں کسی بھی غزل یا قصیدے کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں، جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں۔

پہلے شعر کو مطلع، جب کہ دوسرے شعر کو جو مطلع کے بعد آئے، ”حسن مطلع“ کہتے ہیں۔

گل کو ہوتا صبا قرار اے کاش!
رہتی اک آدھ دن بہار اے کاش!
یہ جو دو آنکھیں مند گئیں میری
اُس پہ وا ہوتیں ایک بار اے کاش!

(میر تقی میر)





قافیہ اور ردیف غزل کے اس مطلع میں ”قرار اور بہار“ قافیہ جب کہ ”اے کاش“ بطور ردیف استعمال ہوئے ہیں۔

مقطع عربی زبان کا لفظ ہے جو ”قطع“ سے نکلا ہے، جس کے معنی کاٹنا یا قطع کرنا کے ہیں۔ شعری اصطلاح میں مقطع سے مراد غزل کا وہ آخری شعر، جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔

مقطع اور آخری شعر میں فرق

اگر آخری شعر جس میں تخلص نہ دیا گیا ہو تو وہ شعر مقطع کے بجائے ”آخری شعر“ کہلائے گا۔ میر تقی میر کی غزل سے مقطع دیکھیے:

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

7) مرزا غالب کی اس غزل کے مطلع اور مقطع کی نشان دہی کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ مرزا غالب کے اشعار کو درست لب و لہجہ اور آہنگ سے پڑھنے کی مشق کریں تاکہ وہ شعر کے جذب و کیف کو محسوس کریں۔
- طلبہ مرزا غالب کی غزل ”باز بیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے“ کو تصویری انداز میں پیش کریں۔ عبدالرحمن چغتائی کے ”نقش چغتائی“ سے مدد لی جاسکتی ہے۔
- دیوان غالب سے اپنی پسند کے پانچ پانچ اشعار اپنی بیاض میں نقل کریں۔

اشارات تدریس

- طلبہ کو غالب کی شخصیت اور فن سے روشناس کرائیں۔
- غالب کے اشعار کو تاریخ، فلسفہ اور نفسیات کی روشنی میں پیش کریں۔
- ”غالب ہر صدی کا شاعر ہے“ کے موضوع پر طلبہ کی رہنمائی کریں اور ان سے مضامین لکھوائیں۔
- طلبہ کو صنعتِ حسنِ تعلیل کے بارے میں بتائیں اور غالب کی زیر مطالعہ غزل کے چوتھے شعر کا حوالہ دیں۔





مومن خاں مومن

(۱۸۰۰ء-۱۸۵۲ء)

مومن خاں مومن اُردو کے ممتاز شاعر تھے۔ وہ مرزا غالب کے ہم عصر شاعر تھے۔ ان کا اصل نام ”مومن خان“ ہے مگر وہ ”مومن“ کے نام اور تخلص سے مشہور ہوئے۔ انھوں نے غزل، رباعی اور دیگر اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی، تاہم ان کی شہرت کا بنیادی سبب ان کی ’غزل‘ ہے۔

مومن خاں مومن کا مزاج روحانی، نازک اور فلسفیانہ تھا۔ وہ نہ صرف شاعر بلکہ حکیم حاذق بھی تھے اور شعبہ طب کے ذریعے سے معاش کماتے تھے۔ انھیں علم نجوم، ریاضی، طب، موسیقی اور علمِ رمل وغیرہ میں بھی خاص مہارت حاصل تھی۔ شاعری میں انھوں نے شاہ نصیر کی شاگردی اختیار کی۔

مومن کی شاعری میں سادگی، برجستگی اور جذبات کی گہرائی نمایاں ہے۔ مومن کی غزلوں میں عشق و محبت کے جذبات کو نہایت نزاکت سے بیان کیا گیا ہے۔ انھوں نے مشکل قوافی اور بندشوں سے اجتناب برتتے ہوئے سادہ مگر دل نشیں انداز اختیار کیا۔

مومن خاں مومن کا تمام تر کلام ”کلیاتِ مومن“ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کی وفات ایک حادثے میں ہوئی، جب وہ اپنے گھر کی چھت سے گر گئے اور پانچ ماہ تک علیل رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔ وہ دہلی میں آسودہ خاک ہیں۔ مومن اُردو ادب میں ایک نازک خیال اور جذبات نگار شاعر کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ ان کے درج ذیل اشعارِ زبانِ زدِ خاص و عام ہیں:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو





غزل

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو مومن خاں مومن کے دور کی غزل کے بارے میں آگاہ کرنا
- طلبہ کو مومن خاں مومن کی غزل گوئی کی امتیازی خصوصیات سے روشناس کرنا
- طلبہ میں شعر فہمی کا عمدہ ذوق پیدا کرنا
- طلبہ کو مومن خاں مومن کی غزل کے موضوعات بارے معلومات فراہم کرنا
- صنعتِ تضاد اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا

اثر اُس کو ذرا نہیں ہوتا
 رنج ، راحت فزا نہیں ہوتا
 ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم
 حرفِ ناصح بُرا نہیں ہوتا
 تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
 ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
 تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
 جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
 حالِ دل ، یار کو لکھوں کیوں کر
 ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
 چارہ دل سوائے صبر نہیں
 سو تمہارے سوا نہیں ہوتا
 کیوں سنے عرضِ مضطر اے مومن!
 صنم آخر خدا نہیں ہوتا

(دیوانِ مومن)



مشق

1 مومن خاں مومن کی شامل کتاب غزل کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

i زیر مطالعہ غزل کے مطلع اور مقطع کی نشان دہی کریں۔

ii حرفِ ناصح سے کیا مراد ہے؟

iii حالِ دل لکھنے میں کیا مشکل ہے؟

iv کون ”عرض مضطر“ نہیں بن سکتا؟

v شاعر کو صبر کیوں نہیں آتا اور صبر کا آنا کس طرح ممکن ہے؟

2 درست جوابات کی نشان دہی کریں:

i اس غزل میں ”جدا“ اور ”خدا“ ہیں:

ii غزل کا ایسا آخری شعر جس میں شاعر نے اپنا غلصہ برتا ہوا، کہلاتا ہے:

iii مومن خاں مومن کے بقول ”رنج“ نہیں ہوتا:

iv ”حرفِ ناصح بُرا نہیں ہوتا“ یہ حقیقت شاعر پر کھلی:

v ”نہیں ہوتا“ غزل میں ہے:

3 مومن خاں مومن کے درج ذیل شعر کی تشریح کریں جسے مرزا غالب نے یہ کہہ کر سندِ قبولیت بخشی کہ مجھ سے میرا سارا دیوان لے لیا جائے اور اس کے بدلے میں مجھے یہ شعر دے دیا جائے:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا



زیر مطالعہ غزل میں سے مختلف شعری صنعتیں تلاش کر کے لکھیں۔

4

درج ذیل الفاظ کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا معنی و مفہوم اور تہذیب و تہذیب کی کیفیت بھی ٹھل جائے:

5

رنج راحت دنیا صبر وحشت حال ذکر حرف

اشعار مکمل کریں:

6

iv چارہ دل سوائے صبر نہیں

v ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم

i اثر اُس کو ذرا نہیں ہوتا

ii تم مرے پاس ہوتے ہو گویا

iii حالِ دل ، یار کو لکھوں کیوں کر

درج ذیل الفاظ کے واحد اور جمع بنائیں:

7

اغیار راحت ناصح حروف احوال خط

درج ذیل اشعار کو درست تلفظ، لے اور آہنگ سے پڑھیں اور ان سے متعلقہ سوالات کے جوابات تحریر کریں:

8

وہ ساحلوں پہ گانے والے کیا ہوئے
وہ کشتیاں چلانے والے کیا ہوئے
وہ صبح آتے آتے رہ گئی کہاں
جو قافلے تھے آنے والے کیا ہوئے
میں ان کی راہ دیکھتا ہوں رات بھر
وہ روشنی دکھانے والے کیا ہوئے

(ناصر کاظمی)

سوالات

ii صنعتِ تکرار کس شعر میں برتی گئی ہے؟

iv ان اشعار میں ردیف کی نشان دہی کریں۔

i ساحلوں پہ گانے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

iii ”راہ دیکھنا“ کے کیا معنی ہیں؟





صنعتِ تضاد

علمِ بدیع کی اصطلاح میں تضاد، ایسے الفاظ استعمال میں لانا، جن کے معنی ایک دوسرے کی ضد، اُلٹ اور مقابل ہوں، مثلاً: ہنسنا اور رونا، کڑوا اور میٹھا، ٹھنڈا اور گرم، بہار اور خزاں، دوست اور دشمن، مناسب اور نامناسب، دیکھا اور اُن دیکھا وغیرہ۔ تضاد کی دو صورتیں ہیں:

(الف) تضادِ ایجابی: متضاد الفاظ کے ساتھ اگر حرفِ نفی استعمال نہ ہوا ہو تو اسے ”تضادِ ایجابی“ کہتے ہیں۔ جیسے:

ہوائے دورِ مئے خوش گوار راہ میں ہے
(حیدر علی آتش) خزاں چمن سے ہے جاتی بہار راہ میں ہے

اے القاتِ یار مجھے سوچنے تو دے
(سید عابد علی عابد) جینے کا ہے مقام کہ مرنے کا ہے محل

(ب) تضادِ سلبی: جب دو الفاظ ایک مصدر یا مادے سے مشتق ہوں، ایک مثبت ہو، دوسرا منفی تو اسے تضادِ سلبی کہتے ہیں: جیسے:

یہ رات تمھاری ہے چمکتے رہو تارو
(ناصر کاظمی) وہ آئیں نہ آئیں مگر امید نہ ہارو

سرگرمیاں برائے طلبہ

- مختصر ویڈیو کے ذریعے سے مومن خاں مومن کی شاعری کی نمایاں خصوصیات نوٹ کریں۔
- مومن خاں مومن کی غزل کو مکالمے کی صورت میں پیش کریں۔
- طلبہ گروپ کی شکل میں مومن خاں مومن کی شخصیت اور فن پر کوئز مقابلے میں شرکت کریں۔

اشاراتِ تدریس

- طلبہ کو مومن خاں مومن کے دور کی سیاسی، سماجی اور ادبی کیفیات و حالات کے بارے میں بتائیں۔
- مومن خاں مومن کی شامل کتاب غزل کی تراکیب کے معانی اور ان کی بناوٹ کے بارے میں آگاہ کریں اور طلبہ سے کچھ نئی تراکیب بھی بنوائیں۔
- طلبہ کو ”سہلِ ممتنع“ کے بارے میں بتائیں۔ انھیں باور کرائیں کہ مومن خاں مومن کی زیرِ مطالعہ غزل سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔





حسرت موہانی

(۱۸۸۱ء - ۱۹۵۱ء)

نام سید فضل الحسن اور حسرت تخلص ہے۔ یوپی (ہندوستان) کے قصبہ موہان میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے موہانی کہلائے۔ ابتدائی تعلیم، ایک کتب میں پائی۔ قرآن مجید اور فارسی کی تعلیم، اپنے قصبہ ہی کے علما سے حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول فتح پور سے پاس کرنے کے بعد علی گڑھ چلے گئے، جہاں سے بی اے کیا۔ ان کا شمار علی گڑھ کالج کے ممتاز طلبہ میں ہوتا تھا۔ اس دوران میں ان کا ساتھ مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر اور سید سجاد حیدر یلدرم جیسی نام ور شخصیات سے رہا۔

علی گڑھ کے عرصہ قیام میں ان کا رجحان صحافت اور سیاست کی طرف ہو گیا۔ حسرت نے ”اردوئے معلیٰ“ کے نام سے ایک رسالے کا اجرا بھی کیا۔ یہ رسالہ اپنے عہد میں قابل قدر سیاسی و ادبی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے، جب برصغیر میں تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کا عروج تھا۔ ان تحریکوں میں حسرت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جس کی پاداش میں انہیں کئی بار جیل جانا پڑا مگر سب تکالیف اور مصائب کے باوجود حسرت اپنے موقف پر ڈٹے رہے، جس کا عکس ان کی شاعری میں بھی نظر آتا ہے۔ فرماتے ہیں:

ہے مشق سخن جاری چچی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

حسرت موہانی، غزل کے ایک باکمال شاعر تھے۔ اس بنا پر انہیں ”رئیس المستغزین“ بھی کہا جاتا ہے۔ سر سید احمد خاں کی تحریک علی گڑھ کے بعد غزل بالکل دب کر رہ گئی تھی۔ حسرت نے بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ غزل کی تجدید کی اور اردو غزل کے مجدد کہلائے۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات میں سادگی، سلاست، بے ساختگی، روزمرہ اور محاورے کا خوب صورت استعمال، حسن و عشق کا بیان اور قومی و سیاسی موضوعات شامل ہیں۔ حسرت کا کلیات شائع ہو چکا ہے جو بارہ دواوین پر مشتمل ہے۔



غزل

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو حسرتِ موہانی کے مفروضے سے آشنا کرنا
- طلبہ کو غزل کی ہیئت اور دیگر شعری محاسن سے روشناس کرنا
- طلبہ کو غزل یعنی غزل کی خصوصیات کی شناخت کروانا
- طلبہ کو مولانا حسرتِ موہانی کی تحریری اور انقلابی شاعری کے پس منظر اور پیش منظر سے آگاہ کرنا

ہے مشقِ سخن جاری ، چٹائی کی مشقّت بھی
اک طرفہ تماشا ہے ، حسرت کی طبیعت بھی

دُشوار ہے رندوں پر انکارِ کرم یکسر
اے ساقی جاں پرور! کچھ لطف و عنایت بھی

برسات کے آتے ہی تو بہ نہ رہی باقی
بادل جو نظر آئے بدلی مری نیت بھی

عُشّاق کے دل ناؤں ، اُس شوخ کی خوناؤں
ناؤں اسی نسبت سے ہے کارِ محبت بھی

رکھتے ہیں مرے دل پر کیوں تہمتِ بے تابی
یاں نالہ مضطر کی جب مجھ میں ہو قوت بھی

ہر چند ہے دل شیدا حُریتِ کامل کا
منظورِ دعا لیکن ہے قیدِ محبت بھی

ہیں شاد و صافی شاعر یا شوق و وفا حسرت
پھر ضامن و مُشر ہیں، اقبال بھی ، وحشت بھی

(کلیاتِ حسرتِ موہانی)



مشق

حسرت موہانی کی شامل کتاب غزل کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

1

i حسرت موہانی نے ”پچلی کی مشقت“ کس سلسلے میں برداشت کی تھی؟

ii شاعر نے ”ساقی جاں پرو“ سے کس چیز کے لیے درخواست کی ہے؟

iii عشاق کے لیے کاحجیت کیوں نازک ہے؟

iv شاعر نے اپنی کس قوت کا ذکر کیا ہے؟

v شاعر کا دل کس چیز کا شیدا ہے؟

2 درست جوابات کی نشان دہی کریں:

i ”موہانی“ قواعد کے لحاظ سے ہے:

(الف) صفت ذاتی (ب) صفت لائق (ج) صفت ضمیری (د) صفت عددی

ii ”رئیس المتغزلین“ کہا جاتا ہے:

(الف) فیض احمد فیض کو (ب) ظہیر کشمیری کو (ج) جگر مراد آبادی کو (د) حسرت موہانی کو

iii ”مشق سخن“ کا مطلب ہے:

(الف) گفت گو کی مشق (ب) شاعری کی مشق (ج) خطابت کی مشق (د) موسیقی کی مشق

iv بادل نظر آنے سے بدلتی ہے:

(الف) طبیعت (ب) نیت (ج) صورت (د) سوچ

v حسرت موہانی نے مقطع میں اپنے نام سمیت شعرا کا ذکر کیا ہے:

(الف) چھے کا (ب) سات کا (ج) آٹھ کا (د) نو کا

vi ”نظر فہ تماشا“ کا مطلب ہے:

(الف) حیران کن بات (ب) کھیل تماشا (ج) دل کش منظر (د) ہنگامہ





3

حسرت موہانی کی زیر نظر غزل ”حبسیات“ کے ذیل میں آتی ہے۔ قید فرنگ کی کہانی انھوں نے اپنی کتاب ”مشاہداتِ زنداں“ میں بیان کی ہے۔ ان کو اپنے سیاسی اور معاشی نظریات پر کامل یقین تھا اور عوامی شعور پر بھی انھیں اعتماد تھا کہ ایک روز ہندوستانی آزادی کا پروانہ حاصل کر کے رہیں گے۔ درج ذیل شعر کی روشنی میں غزل کے مطلع کی تشریح کریں:

اچھا ہے اہل جور کیے جائیں سختیاں
پھیلے گی یوں ہی شورشِ حُبِ وطن تمام

4

حسرت موہانی جدید غزل کے بانیوں میں سے ہیں۔ ان کی غزل میں موضوعاتی تنوع ملتا ہے۔ انقلاب اور سامراج سے بغاوت کے شعلوں کی جدت کے ساتھ محبت و الفت کے نرم اور ریشمی جذبوں کی پھوار بھی ملتی ہے۔ ان کی درج ذیل غزل توجہ سے پڑھیں اور آخر میں دیے گئے سوالوں کے جوابات بھی تحریر کریں:

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام
دھکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمن تمام
حیرت غرورِ حُسن سے، شوخی سے اضطراب
دل نے بھی تیرے سیکھ لیے ہیں چلن تمام
دیکھو تو چشمِ یار کی جادو نگاہیاں
بے ہوش اک نظر میں ہوئی انجمن تمام

سوالات

- i انجمن کس کے جمال سے روشن ہے؟
- ii دل نے کون سے چلن سیکھ لیے ہیں؟
- iii پوری محفل بے ہوش کیوں ہو گئی؟
- iv ان اشعار کے قوافی اور ردیف کے بارے میں بتائیں۔

5

درج ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں:

طبیعت

محشر

وحشت

لطف و عنایت

حریت

مضطر

تہمت





سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ حسرت موہانی کی مشہور غزل ”چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے“ پڑھیں اور لطف اندوز ہوں۔
- حسرت موہانی کے کلام میں انقلاب، محبت اور استعاریت کے خلاف جیسے موضوعات کی نشان دہی کریں۔
- حسرت موہانی کی شخصیت اور شاعری کے حوالے سے تصویری البم اور کولاژ (Collage) تیار کریں۔

اشاراتِ تدریس

- طلبہ کو مولانا حسرت موہانی کا تعارف تحریکِ آزادی کے سر بلند کارکن اور ترقی پسند شاعر کی حیثیت سے کرائیں۔
- حسرت موہانی کی غزلیات کا دیگر ترقی پسند شعرا کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے ان کے مابین مماثلتوں اور امتیازات کی نشان دہی کریں۔
- اشعار کی تشریح کرتے وقت طلبہ کی شرکت کو بھرپور بنائیں اور ان سے سوال و جواب بھی کرتے رہیں۔
- مولانا حسرت موہانی بطور صحافی، سیاست دان اور شاعر کے موضوع پر گفتگو کریں۔
- اساتذہ، طلبہ کو استاد غلام علی کی آواز میں گائی ہوئی حسرت کی کوئی غزل سنائیں اور اس پر اظہارِ خیال کریں۔
- اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ رئیس المتغزلیں حسرت موہانی کے درج ذیل شعری روشنی میں ان کے فن شاعری کا جائزہ لیں:

اے وہ کہ تجھے شوق ہے تحسینِ سخن کا
میرا جو کہا مان، تو حسرت کی غزل دیکھ





زہرا نگاہ

(پیدائش: ۱۹۳۶ء)

زہرا نگاہ، اُردو ادب کی ایک ممتاز شاعرہ اور ادیبہ ہیں۔ ان کی شاعری میں ان کی انفرادیت، نسوانی لب و لہجہ اور زبان و بیاں کی لطافت کی گہری چھاپ موجود ہے۔ وہ ۱۹۳۶ء کو حیدر آباد دکن (انڈیا) میں پیدا ہوئیں۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے خاندان کے ساتھ کراچی منتقل ہو گئیں۔

زہرا نگاہ کا تعلق ایک علمی اور ادبی خانوادے سے ہے۔ ان کے والد محترم قمر مقصود ایک بلند پایہ عالم اور فارسی کے استاد تھے۔ ان کے بھائی انور مقصود اور بہن فاطمہ ثریا بچیا بھی معروف دانش ور اور ادیب ہیں۔

زہرا نگاہ نے کم عمری ہی میں شاعری کا آغاز کیا اور جلد ہی اپنے الگ اُسلوب کی وجہ سے اردو ادب کی دنیا میں اپنی پہچان بنائی۔ اُنھوں نے جگر مراد آبادی کو اصلاح کی غرض سے اپنا ابتدائی کلام دکھایا مگر انھوں نے کہا کہ تمھیں اصلاح کی ضرورت نہیں اور تمھارے کلام میں فطری طور پر پختگی موجود ہے۔

وہ بنیادی طور پر نظم، غزل کی شاعرہ ہیں مگر ان کی نثر بھی گہرے فکری مواد کی حامل ہے۔ ان کی شاعری میں نسوانی جذبات، مشرقی روایات، فلسفہ اور معاشرتی ناہمواریوں کا گہرا شعور ملتا ہے۔ ان کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی ان کا سادہ مگر دل نشین اُسلوب ہے۔

ان کے اہم شعری مجموعوں میں ”شام کا پہلا تارا“، ”ورق“ اور ”فراق“ شامل ہیں۔ ان کی شاعری کا کلیات بھی شائع ہو چکا ہے۔ زہرا نگاہ نے مختلف ادبی اور ثقافتی اداروں کے ساتھ وابستگی اختیار کی، جن میں پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس (PNCA) بھی شامل ہے۔

زہرا نگاہ نہ صرف ایک شاعرہ ہیں بلکہ ایک دانش ور بھی ہیں۔ ان کی گفت گو، تحریر اور عوامی خطابات میں علم، تہذیب اور بصیرت کی جھلک ملتی ہے۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے انھیں تمغا برائے حسن کارکردگی سے نوازا۔





غزل

تدریسی مقاصد

- طلبہ کو جدید اردو غزل سے روشناس کرانا
- زہرا نگاہ کی شاعری کی مدد سے طلبہ کو جدید غزل کے رجحانات، موضوعات اور اسالیب سے متعارف کرانا
- زہرا نگاہ کی شاعری میں خواتین کے جذبات، مسائل اور معاشرتی تناظرات کو سمجھنا
- طلبہ کو زہرا نگاہ کی غزل کے حوالے سے خواتین کی خود مختاری، سماجی نا انصافی اور نفسیاتی کشمکش جیسے موضوعات پر تبادلہ خیال کرنا

یوں کہنے کو پیرایہ اظہار بہت ہے
یہ دل ، دلِ ناداں سہی خوددار بہت ہے

دیوانوں کو اب وسعتِ صحرا نہیں درکار
وحشت کے لیے سایہ دیوار بہت ہے

بجتا ہے گلی کوچوں میں نقارہ الزام
ملزم کہ خموشی کا وفادار بہت ہے

جب حُسنِ تَکَلُّم پہ کڑا وقت پڑے تو
اور کچھ بھی نہ باقی ہو تو تکرار بہت ہے

خود آئینہ گر، آئینہ چھوڑے تو نظر آئے
دھکا ہوا ہر شعلہ زُخسار بہت ہے

مُنصف کے لیے اِذنِ سماعت پہ ہیں پہرے
اور عدل کی زنجیر میں جھنکار بہت ہے

فراق



مشق

1 زہرا نگاہ کی شامل کتاب غزل کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- i دل کی خوبی اور خامی کے بارے میں شاعرہ نے کیا کہا ہے؟
- ii دیوانگی اور وحشت کے لیے کیا درکار ہے؟
- iii الزامات کے جواب میں ملزم نے کیا حکمت عملی اختیار کی ہوئی ہے؟
- iv کس چیز پہ کڑا وقت پڑا ہے؟
- v ”زنجیرِ عدل“ تبلیغ کی وضاحت کریں۔

2 درست جوابات کی نشان دہی کریں:

- i زہرا نگاہ کی یہ غزل ان کے شعری مجموعے سے لی گئی ہے:
- ii (الف) ”شام کا پہلا تارا“ سے (ب) ”فراق“ سے (ج) ”گل چاندنی“ سے (د) ”ورق“ سے
- iii نقارۃ الزام بجاتا ہے:
- iv (الف) میدانوں میں (ب) پہاڑوں میں (ج) شہروں میں (د) گلی کوچوں میں
- v ہر شعلہ رخسار ہے:
- vi (الف) بُجھا ہوا (ب) کھلا ہوا (ج) جلا ہوا (د) دہکا ہوا
- vii ملزم وفادار ہے:
- viii (الف) ملک کا (ب) عدالت کا (ج) دوست کا (د) نموشی کا
- ix مُنصف کے لیے پہرے ہیں:
- x (الف) عدالت پہ (ب) اِذنِ تکلّم پہ (ج) اِذنِ سماعت پہ (د) بولنے پہ

3 اشعار مکمل کریں:

i یوں کہنے کو پیرایہ اظہار بہت ہے



ii) جتنا ہے گلی کوچوں میں تقارہ الزام

iii) خود آئینہ گر آئینہ چھوڑے تو نظر آئے

4) درج ذیل تراکیب کی وضاحت کریں:

شعلہ زخسار

آئینہ گر

حسنِ تکلم

وُصحتِ صحرا

پیرایہ اظہار

5) عبدالمجید عدم نے عدالتی نظام کی کمزوریوں پر یہ زبان زدِ خاص و عام شعر کہا تھا:

ہم کو شاہوں کی عدالت سے توقع تو نہیں
آپ کہتے ہیں تو زنجیر ہلا دیتے ہیں

اسی شعر سے موازنہ کرتے ہوئے زہرا نگاہ کے درج ذیل شعر کی تشریح کریں:

مُصنّف کے لیے اذنِ سماعت پہ ہیں پہرے
اور عدل کی زنجیر میں جھنکار بہت ہے

6) زہرا نگاہ کی زیر مطالعہ غزل کے توانی اور ردیف کی نشان دہی کریں۔

7) زہرا نگاہ کی اس غزل میں کون سا شعر بیت الغزل ہے؟ وجہ بھی بتائیں۔

8) زہرا نگاہ کی درج ذیل غزل کو صحتِ تلفظ، لے اور آہنگ سے ادا کریں اور نیچے دیے ہوئے سوالات کے جوابات بھی تحریر کریں:

ایک تیرا غم جس کو راہ معتبر جانیں
اس سفر میں ہم کس کو اپنا ہم سفر جانیں
جس سے کچھ نہ کہ پائیں جانِ گفت گو ٹھہرے
جس سے کم ملیں اس کو سب سے بیش تر جانیں

اپنا عکس بھی اکثر ساتھ چھوڑ جاتا ہے
یہ مالِ خود بینی کاش! شیشہ گر جانیں





تار تار کر ڈالیں، صبر و ضبط کا دامن
زخم زخم دکھلا دیں، ظرف چارہ گر جانیں

سوالات

- i زہرا نگاہ کس کو اپنا ہم سفر کہہ رہی ہیں؟ ii ”جس سے کم ملیں اس کو سب سے بیش تر جانیں“ کی وضاحت کریں۔
iii ”مال خود بینی“ کا مفہوم بیان کریں۔ iv چارہ گر کا ظرف آزمانے کے لیے شاعرہ کیا کرنا چاہ رہی ہیں؟

تلمیح

تلمیح کا تعلق علمِ بدیع سے ہے۔ تلمیح سے مراد کلام میں کسی مشہور سیاسی، سماجی، مذہبی یا تاریخی واقعے، کسی آیتِ قرآنی، حدیثِ مبارکہ وغیرہ کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ تلمیح کی مثالوں میں آنکسِ نمرود، چاہِ یوسف، سحرِ سامری، پیدِ بیضا، صبحِ ازل، عہدِ الست، حُسنِ یوسف، شقِ القمر، چاہِ بابل، ججئے شیر وغیرہ زیادہ معروف ہیں۔

آ رہی ہے چاہِ یوسفؑ سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت
(حالی)

کشتیِ مسکین و جانِ پاک و دیوارِ یتیم
علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش
(اقبال)

سرگرمیاں برائے طلبہ

- زہرا نگاہ کی غزل کا تقابل جدید شاعرات (مثلاً پروین شاکر، نجمیہ ریاض) کے ساتھ کریں۔ اساتذہ کرام مدد کریں۔
- زہرا نگاہ کی غزل میں سے کوئی شعر منتخب کریں اور اس کے خیال پر کوئی مختصر کہانی تحریر کریں۔
- زہرا نگاہ کی غزل کے پسندیدہ اشعار کو پوسٹر، ڈیجیٹل آرٹ یا کیلی گرافی کی شکل میں پیش کریں۔

اشاراتِ تدریس

- زہرا نگاہ کے عہد، ان کے شعری اُسلوب اور معاصر ادب میں ان کے ادبی مقام و مرتبے کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کریں۔
- غزل ”یوں کہنے کو پیرایہ اظہار بہت ہے“ میں شامل مشکل الفاظ و تراکیب کی وضاحت کریں نیز فارسی، عربی زبان کے اثرات پر بھی روشنی ڈالیں۔
- زہرا نگاہ کی شاعری کو عورت کی آواز کے طور پر مطالعہ کرنے کی تاکید کریں۔





فرہنگ

1۔ حمد (نظم)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
باغبان	مالی	خلوت	تنہائی
بُو	خوش بو	رازداد	راز جاننے والا
پنہاں	پوشیدہ، چھپا ہوا	عیان	ظاہر، کھلا ہوا
جلوت	محفل	محرم راز	بھید جاننے والا، راز دار دوست
چمن	باغ	میزبان	صاحب خانہ

2۔ نعت

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اصرار	تاکید، کسی فعل یا قول پر استقامت	شمع ہدایت	ہدایت کا چراغ
چشم بصیرت	دیکھنے والی آنکھ	غبارِ راہ	راستے کی دھول مٹی
ختم الانبیا	آخری نبی، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ	مرحبا	سبحان اللہ، واہ وا
رسولِ مجتبیٰ	چنے ہوئے رسول، حضور نبی کریم ﷺ	مصطفیٰ ﷺ	پسندیدہ، منتخب، نبی کریم ﷺ
سرپاگوش	سر تا پا کان بن جانا / غور اور انہماک سے سننا	مغفرت	بخشش
شریعت	دین کے اصول، شرع	نقش قدم	قدم کا نشان

3۔ اخلاقِ نبوی ﷺ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اعانت کرنا	مدد کرنا	خندہ جبیں	خوش مزاج، ہنس مکھ
امرِ حق	حق بات	دفتر	تحریری مجموعہ
اوصاف	وصف کی جمع، خوبیاں	رد کرنا	ٹھکرانا





بے باکی سے	بے خوفی سے ، بدتہذیبی سے	صراحتاً	تفصیل کے ساتھ ، صاف طور پر
تخل	برداشت	ضیافت	دعوت
تردید کرنا	نفی کرنا	عیب جو	عیب تلاش کرنے والا
تعجب کرنا	حیرت کا اظہار کرنا	مزاج شناسی	مزاج سے واقف ہونا
تیور	انداز ، طرز	مہربان طبع	ہمدرد فطرت
خنداں	خوش ، مسکراتا ہوا	نرم خو	نرم مزاج
سال ہا سال	طویل عرصہ	واقف کار	جاننے والا ، باخبر

4۔ سرسید کا بچپن

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
باوجودیکہ	اس کے باوجود	سماج	معاشرہ
تقصیر	قصور، گناہ	صغیر سن	چھوٹی عمر کا
جواہرات	قیمتی موتی ، جوہر کی جمع	عنایت	مہربانی
خصوصیت	خاص وصف	متعدد	کئی ، بہت سے
خلعت	قیمتی لباس	مستعد	تیز ، چُست
خیر خواہ	ہمدرد ، اچھا چاہنے والا	نزد دینا	نیاز پیش کرنا

5۔ محسن محلہ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آب خورہ	پانی پینے کا برتن	گھٹکھی بندھ گئی	رونے لگا ، ہچکیاں لینے لگا
اصیل مرغا	لڑا کا مرغ	ماہ بہ ماہ	مہینے کے مہینے
انہونی	ناممکن	مبالغہ	بڑھا چڑھا کر بیان کرنا
بابت	بارے میں	منشی گیری	حساب کتاب کرنے کا کام
بندوبست	انتظام	میخ	کیل
تنگی ترشی	تکلیف کے ساتھ	یک مُشت	ایک ہی وقت میں / اکٹھا





6۔ کفارہ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
انتقام	بدلہ، پاداش	عُذر	بہانہ، معذوری
بد مزاج	تندُخُو، چڑچڑا	کفارہ	بدلہ، جرمانہ، تلافی
برا بیچنے کرنا	غصہ دلانا	مامور	مقرر کرنا یا ہونا
پامال کرنا	پیروں تلے روندنا	مغرور	متکبر، غرور کرنے والا
پلندہ	ڈھیر، خصوصاً کاغذوں کا	نادم	شرمندہ
تنش	حرارت، گرمی	ناسور	مُراد سوراخ دار زخم جو کبھی اچھا نہ ہو
ڈھارس	حوصلہ، ہمت	مقدم	ضروری

7۔ سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اولو العزم	پختہ ارادے والا	سہانا	خوب صورت، دلکش
برسبیل تذکرہ	ذکر کرتے ہوئے	شامت	بر اوقات
تقطیع کرنا	الگ الگ کرنا، شاعری کا وزن دیکھنا	غیچہ دہنی	غنچے جیسا منہ یعنی مسکراتا ہوا
خندہ پیشانی سے	خوشی سے	مرعوب	رعب میں آنے والا
دل آویز	دل کش، پیارا	منظور نظر	محبوب، پسندیدہ
سحر خیز	صبح جلدی اٹھنے والا	خرج	تقصان، کمی

8۔ دوستی کا پھل

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جانا	پریشان ہو جانا، سخت حیرت زدہ ہونا	دکھ سکھ	غم اور خوشی
اپنائیت سے	محبت سے	دھیان	توجہ سوچ
ارد گرد	آس پاس	سنگی	ساتھی
الاؤ	گھاس پھونس کا جلتا ہوا ڈھیر	فکر	خیال
چین	سکون، آرام	کھوہ	گڑھا، سوراخ (کسی درخت کے تنے وغیرہ میں)





9۔ میرا گاؤں

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ایکا	اکٹھ، اتحاد، اتفاق	غربت	مفلسی
لساند	ناخوش گوار، بدبو	فرصت	فراغت
پسماندگی	پیچھے رہ جانا	متروکہ	چھوڑا ہوا، ترک کیا ہوا
حمایت	مدد، ساتھ	محکمہ	ادارہ
خوش گفتار	شیریں زبان، خوش کلام	مصیبت	دکھ، پریشانی
رضا کارانہ طور پر	اپنی مرضی سے	وار	حملہ

10۔ بابل کے کھنڈر

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آراستہ	سجا ہوا	سیاح	سیر و سیاحت کرنے والا
بامِ عروج	بلندی، رفعت، عظمت	ضیافت	دعوت
بوق و قرنا	اعلان کے دوساز / آلے	معبد	عبادت گاہ
پیچ در پیچ	بہت الجھے ہوئے (پیچیدہ)	مطلق العنان	آمر، وہ حکمران جو کسی قانون کا پابند نہ ہو
جاہ و جلال	رعب و دبدبہ، شان و شوکت	مفلوک الحال	برے حال والا
ریشم و سنبال	نہایت قیمتی لباس	نفیری	تیز آواز والا بگل یا نقارہ
رتھ	گھوڑا گاڑی، شاہی سواری	مؤرخ	تاریخ دان

11۔ اولڈ ایج ہوم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آرزو	تمنا، خواہش	شاق گزرنا	بُرا لگنا
اطمینان	سکون	شکلن آلود	جس میں بل پڑے ہوں
اندیشہ	خطرہ، خوف	شدینا	اکسانا، آگے بڑھانا
بے تحاشا	بے حد، بہت زیادہ	فی الفور	فوراً، اچانک
پیشانی	ماٹھا	کرب انگیز	دکھ کو بڑھانے والی





عاجزی سے	لجاحت سے	کسی شخص کو اسی کی زبان اور انداز میں جواب دینا، سخت جواب دینا	ٹرکی بہ ترکی جواب دینا
دعوت دینا، بلانا	مدعو کرنا	شرعی یا قانوناً کسی بات کا درست ہونا	جواز
تعلق، نسبت، منسلک ہونا	وابستگی	خوش اخلاق، اچھے مزاج والا	خوش مزاج
شورو غل، جھگڑا، فساد	ہنگامہ	بُرا بھلا کہنا، ڈانٹ ڈپٹ کرنا	سرزنش کرنا

12۔ کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں

معانی	الفاظ	معانی	الفاظ
سوچ، فکر	شعور	پانی دینا، ہٹو دینا کرنا	آب یاری کرنا
ذمہ داری	فرض	زبان و بیان کے انداز	اسالیب
جس پر سب کا اتفاق ہو	متفقہ	دانش مندی	بصیرت
احسان مند	مرہونِ منت	قسم قسم کی چیزیں	تنوع
فرض کی گئی بات	مفروضہ	عام سوچ، تمام لوگوں کی رائے	رائے عامہ
موضوع کی جمع، عنوانات	موضوعات	رد کیا ہوا، بے کار	ساقط

13۔ آدمی نامہ (نظیر اکبر آبادی)

معانی	الفاظ	معانی	الفاظ
پھندا، مکر و فریب	جال	شریف لوگ، معزز	اشراف
امیر لوگ	زردار	کھلم کھلا، اعلانیہ	برملا
شکار	صيد	بے بس، بے سروسامان	بے نوا
فقیر	گدا	بے عزتی کرنا	پگڑی اتارنا
غریب، مسکین	مفلس	تلوار	تیغ

14۔ نمودِ صبح (میر بر علی انیس)

معانی	الفاظ	معانی	الفاظ
طلوعِ آفتاب کی روشنی، صبح کا اجالا	صبحِ نور	صبح کی ٹھنڈی ہوا	بادِ صبح
مور	طاؤس	آسمان	چرخ





دم بدم	ہر لمحہ	غول	ٹولی، جتھا
سبزہ	گھاس، ہریالی	لاجورد	نیلا
سرخ پوش	سرخ لباس والا	لالہ زار	لالے کے پھولوں کا کھیت، باغ
شفق	وہ سرخی جو طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت افق پر نمودار ہوتی ہے	نخل	درخت

15۔ خطاب بہ جوانانِ اسلام (علامہ محمد اقبالؒ)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آبا	باپ دادا	سیارا	حرکت میں رہنے والا
اسلاف	مورث، اگلے زمانے کے لوگ	سپارہ	تیس ٹکڑے / ٹکڑے ٹکڑے
تدبیر	سوچ بچار، غور فکر	صحرائین	صحرا میں رہنے والے لوگ
تمدن	تہذیب، معاشرت	فزوں تر	بہت بلند
ثابت	رُکا ہوا	گردوں	آسمان
ثُریا	چھتے ستاروں کا جھرمٹ / بلندی	منعم	مال دار
جہاں دار	دنیا پر حکومت کرنا	میراث	وراثت، بزرگوں کا ترکہ

16۔ وغیرہ (انور مسعود)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بے حرص و غرض	بغیر کسی لالچ اور ذاتی فائدے کے	قربان	فدا
طرز حکومت	حکومت کرنے کا طریقہ	مسکان	مسکراہٹ
فرض	ذمہ داری	ناز سے	اداسے

17۔ غزل (مرزا غالبؒ)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اعجازِ مسیحا	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ	شب و روز	رات دن
اورنگِ سلیمان	حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت	نہاں	چھپا ہوا
بازیچہٗ اطفال	بچوں کا کھیل	ہم راز	دوست، محرم
جبین	ماقتا، پیشانی	ہم مشرب	ایک جیسے عقیدے والے





18۔ غزل (مومن خاں مومن)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اثر	احساس	صنم	بُت، مورتی، محبوب مراد ہے
جدا	الگ	کیوں کر	کیسے
راحتِ فزا	سکون پہنچانے والا	مضطر	بے قرار، بے چین
رنج	دُکھ	ناصح	نصیحت کرنے والا

19۔ غزل (حسرت موہانی)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
خُوش	عادت، ادا	غمِ فرقت	جدائی کا دکھ
دشوار	مشکل	مشقِ سخن	شعر کہنے کی مشق
دیوانہ	مجنون	مشقّت	سخت محنت
شاد	خوش	نالہ	فریاد
طُرفہ	عجیب	یکسر	بالکل، پورے کا پورا

20۔ غزل (زہرا نگاہ)

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آئینہ گر	آئینہ ساز، شیشہ بنانے والا	حُسنِ تکلم	بات کرنے کی خوبی
إذن	اجازت، حکم	خوددار	غیر متمند
پیرایہ اظہار	اظہار کا انداز	منصف	انصاف کرنے والا
تکرار	اصرار، بار بار دہرانا، بحث	وحشت	جنون، دیوانگی





سوالیہ پرچے کی تیاری بارے ہدایات

اُردو لازمی برائے جماعت دہم

(نوٹ: ہر سبق کے آغاز میں، اس سبق کے مصنف/شاعر کا جو تعارف دیا گیا ہے، اس میں سے، بورڈ کے امتحان میں کسی قسم کا کوئی سوال نہیں پوچھا جائے گا۔)

اُردو لازمی برائے جماعت دہم (X) کا پرچہ 75 نمبروں پر مشتمل ہوگا۔ معروضی طرز کا حصہ 15 نمبروں پر مشتمل ہوگا اور اس کا وقت 20 منٹ ہوگا۔ انشائی طرز کا حصہ 60 نمبروں پر مشتمل ہوگا اور اس کا وقت 2:10 گھنٹے (دو گھنٹے، دس منٹ) ہوگا۔

معروضی طرز

کل نمبر: 15 (1×15=15)

سوال: 1 کثیر الانتخابی سوالات

حصہ درسی کتاب: اس حصے میں کل دس (10) سوالات ہوں گے۔

- ☆ حصہ نثر میں سے سات (7) کثیر الانتخابی سوالات (MCQs) بنائے جائیں۔ ایک سبق میں سے ایک سے زیادہ کثیر الانتخابی سوالات نہ بنائے جائیں۔
- ☆ حصہ نظم میں سے دو (2) کثیر الانتخابی سوالات (MCQs) بنائے جائیں۔
- ☆ حصہ غزل میں سے ایک (1) کثیر الانتخابی سوال (MCQ) بنایا جائے۔
- ☆ حصہ قواعد: اس حصے میں کل پانچ (5) سوالات ہوں گے۔

- ☆ دُومعنی الفاظ، مماثل و متشابہ الفاظ (اُردو قواعد و انشا: ص 31 تا 33) میں سے ایک (1) کثیر الانتخابی سوال (MCQ) بنایا جائے۔
- ☆ تلفظ/اعراب (اُردو قواعد و انشا: ص 47 تا 49) میں سے ایک (1) کثیر الانتخابی سوال (MCQ) بنایا جائے۔
- ☆ تشبیہ/استعارہ (اُردو قواعد و انشا: ص 62 تا 64) میں سے ایک (1) کثیر الانتخابی سوال (MCQ) بنایا جائے۔
- ☆ صرف و نحو (اسم فعل، حرف اور ان کی اقسام) (اُردو قواعد و انشا: ص 01 تا 11 اور ص 20 تا 28) میں سے دو (2) کثیر الانتخابی سوالات (MCQs) بنائے جائیں۔

انشائی طرز

کل نمبر: 10 (2×5=10)

سوال: 2 اشعار کی تشریح (نظم + غزل)

- ☆ شامل نصاب چھ (6) نظموں میں سے کوئی سی چار (4) نظموں میں سے ایک ایک شعر دیا جائے، جن میں سے کوئی سے تین (3) اشعار کی تشریح درکار ہے۔
- ☆ شامل نصاب چار (4) غزلوں میں سے کوئی سی تین (3) غزلوں میں سے ایک ایک شعر دیا جائے، جن میں سے کوئی سے دو (2) اشعار کی تشریح درکار ہے۔

کل نمبر: 10

سوال: 3 نثر پارے کی تشریح

- ☆ شامل نصاب گُل دس (10) نثری اسباق میں سے، پہلے پانچ (5) اسباق اور آخری پانچ (5) اسباق میں سے ایک ایک نثر پارہ تشریح کے لیے دیا جائے۔ ہر نثر پارے کے گُل تین الفاظ/تراکیب کو خط کشید کیا جائے۔ دو نثر پاروں میں سے کسی ایک کی تشریح درکار ہے۔ نمبروں کی تقسیم حسب ذیل ہے:
- ☆ مصنف کا نام: 1 نمبر ☆ سبق کا نام: 1 نمبر ☆ خط کشیدہ الفاظ/تراکیب کے معانی: 3 نمبر ☆ تشریح: 5 نمبر

کل نمبر: 10 (2×5=10)

سوال: 4 مختصر سوالات کے جوابات

- ☆ اس حصے میں کل آٹھ (8) مختصر سوالات بنائے جائیں جن میں سے پانچ (5) سوالات کے جوابات درکار ہیں۔
- ☆ حصہ نثر میں سے چار (4) سوالات بنائے جائیں۔ شامل نصاب گُل دس (10) نثری اسباق میں سے، پہلے پانچ (5) اسباق اور آخری پانچ (5) اسباق میں سے





دو سوالات بنائے جائیں۔

- ☆ حصہ نظم میں سے دو (2) سوالات بنائے جائیں۔ شامل نصاب گل چھ (6) نظموں میں سے، پہلی تین اور آخری تین نظموں میں سے ایک ایک سوال بنایا جائے۔
- ☆ حصہ غزل میں سے دو (2) سوالات بنائے جائیں۔ شامل نصاب گل چار (4) غزلوں میں سے پہلی دو اور آخری دو غزلوں میں سے ایک ایک سوال بنایا جائے۔

کل نمبر: 5

سوال: 5 نثری سبق کا خلاصہ

- ☆ شامل نصاب گل دس (10) نثری اسباق میں سے، پہلے پانچ (5) اسباق اور آخری پانچ (5) اسباق میں سے ایک ایک سبق منتخب کیا جائے۔ دیے گئے دو اسباق میں سے کسی ایک (1) سبق کا خلاصہ درکار ہے۔

کل نمبر: 15

سوال: 6 مضمون نویسی

- ☆ اُردو قواعد و انشا میں شامل مضامین میں سے کوئی سے تین (3) عنوانات کا انتخاب کیا جائے اور ان میں سے کسی ایک عنوان پر مضمون لکھنے کو کہا جائے۔ (اُردو قواعد و انشا: ص 105 تا 145)

کل نمبر: 10

سوال: 7 تفہیم عبارت

- ☆ اُردو قواعد و انشا میں شامل عبارات میں سے کوئی ایک عبارت، تفہیم کے لیے منتخب کی جائے اور اس کے آخر میں دیے گئے پانچ (5) سوالات کے جوابات لکھنے کو کہا جائے۔ (اُردو قواعد و انشا: ص 147 تا 156)

ماڈل سوالیہ پرچہ

اُردو لازمی برائے جماعت دہم

(معروضی طرز)

وقت: 20 منٹ

کل نمبر: 15

1x15=15

1۔ کتاب کے متن کو نظر رکھتے ہوئے درج ذیل کے چار ممکنہ جوابات میں سے درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں:

- (i) اگر کوئی دفعتاً آپ خاتۃ العلیٰ علیہا السلام کو دیکھتا تو ہو جاتا: (الف) مانوس (ب) مرعوب (ج) حیران (د) گرفتار محبت
- (ii) ”اولئذ یبعث ہوم“ کے قیام کی بنیاد رکھی گئی تھی: (الف) برطانوی طرز پر (ب) امریکی طرز پر (ج) ہسپانوی طرز پر (د) یونانی طرز پر
- (iii) ماسٹر جی کے بشیروں کا کٹورہ بھردیا گیا: (الف) کنگنی سے (ب) باجرہ سے (ج) چادلوں سے (د) آٹے سے
- (iv) بابو مداری لال نے بیکری سبودھ چندر کا تھا: (الف) دوست (ب) ہمسایہ (ج) رشتہ دار (د) ہم جماعت
- (v) ”ہوادار“ نام ہے ایک: (الف) دیوان خانے کا (ب) زنان خانے کا (ج) تیز گھوڑے کا (د) پاکلی کی قسم کی سواری کا
- (vi) بابل کو پھر سے بام عروج تک پہنچایا: (الف) حمورابی نے (ب) سخت نصر نے (ج) سکندر اعظم نے (د) بیرونی حملہ آوروں نے
- (vii) کچھ نادانوں کے بقول اگر انگریزی کا سایہ عافیت چھوڑا تو یہ تو ہوا جائے گی: (الف) مفلس (ب) یتیم (ج) بد تہذیب (د) بے ہنر
- (viii) نظیر اکبر آبادی کی شاعری ہے: (الف) رومانوی (ب) کلاسیکی (ج) درباری (د) عوامی
- (ix) مشہور بادشاہ ”دارا“ کا تعلق تھا: (الف) قدیم یونان سے (ب) قدیم ایران سے (ج) قدیم روم سے (د) قدیم مصر سے
- (x) ”مشق سخن“ کا مطلب ہے: (الف) شاعری کی مشق (ب) گفت گو کی مشق (ج) خطابت کی مشق (د) موسیقی کی مشق
- (xi) ذومعنی لفظ ”عرض“ کے معانی ہیں: (الف) چوڑائی، لمبائی (ب) لمبائی، التماس (ج) چوڑائی، التماس (د) موٹائی، چوڑائی





- (xii) درست تلفظ کا انتخاب کریں: (الف) مُشَاعِرَہ (ب) مُشَاعِرَہ (ج) مُشَاعِرَہ (د) مُشَاعِرَہ
- (xiii) استعارہ کے ارکان کی تعداد ہے: (الف) ایک (ب) دو (ج) تین (د) چار
- (xiv) ان الفاظ میں سے اسم معرفہ ہے: (الف) شہر (ب) فیصل آباد (ج) انسان (د) گاؤں
- (xv) ”دقیقہ“ قواعد کی رو سے ہے: (الف) اسم مصدر (ب) اسم آلہ (ج) اسم اشارہ (د) اسم مصغر

انشائی طرز

وقت: 2:10 گھنٹے

کل نمبر: 60

$$2 \times 5 = 10$$

2۔ درج ذیل نظم و غزل کے اشعار کی تشریح کیجیے۔ (حصہ نظم سے 3 اور حصہ غزل سے 2 اشعار منتخب کیجیے)

حصہ نظم

- (i) مرے سرکار کے نقش قدم جمع ہدایت ہیں یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا راستا کہیے
- (ii) مگر وہ علم کے موتی، کت ہیں اپنے آبائی جو دیکھیں ان کو یورپ میں تول ہوتا ہے سپہا
- (iii) اب ہوش نہیں کوئی کہ بادام کہاں ہے اب اپنی ہتھیلی پہ ہیں دندان وغیرہ
- (iv) دنیا میں پادشاہ ہے ہوئے وہ بھی آدمی اور مفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

حصہ غزل

- (v) مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
- (vi) حال دل یار کو لکھوں کیوں کر ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
- (vii) مُنصف کے لیے اذنِ سماعت یہ ہیں پہرے اور عدل کی زنجیر میں جھنکار بہت ہے

3۔ درج ذیل نثر پاروں میں سے کسی ایک کی تشریح کیجیے۔ سبق کا عنوان، مصنف کا نام اور خط کشیدہ الفاظ/تراکیب کے معانی بھی تحریر کیجیے۔

$$1+1+3+5=10$$

(الف) بعضے بچے ابتدا میں نہایت ذکی اور طباع اور اپنے ہجو یوں میں سب سے زیادہ تیز اور ہوشیار ہوتے ہیں، سرسید میں کوئی اس قسم کا صریح امتیاز نہ تھا۔ معلوم ہوتا

ہے کہ انھوں نے اپنے قوائے ذہنیہ کو محض دماغی ریاضت اور لگاتار غور و فکر سے بتدریج ترقی دی تھی اور اسی لیے ان کی لائف کا آغاز معمولی آدمیوں کی زندگی سے کچھ زیادہ چمک دار معلوم نہیں ہوتا لیکن جس قدر آگے بڑھتے جائے اُسی قدر اس میں زیادہ عظمت پیدا ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ ہیر کو معمولی آدمیوں کی سطح سے بالاتر کر دیتی ہے۔ اسی لیے بعض حکما کی یہ رائے ہے کہ محنت سے آدمی جو چاہے، سو ہو سکتا ہے۔

(ب) جیسے پڑشمن نے اپنا مورچہ لاگایا تھا۔ اس کے نشان صاف نظر آرہے تھے۔ میری کنیا کا نام و نشان باقی نہیں رہا تھا۔ گاؤں تک جانے والی اینٹوں کی سڑک

پس کر چوراہہ پہنچی تھی اور اس میں گڑھے پڑ چکے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ گھڑی بجلی کے کھمبے غائب تھے۔ گاؤں تک پہنچتے پہنچتے میرا دل سنان اور ویران ہو چکا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے شام پڑ چکی ہو حالانکہ ابھی دھوپ تیز تھی اور اس میں ڈھلتے سورج کی زردی بھی نہیں رچی تھی۔ ابھی ہم گاؤں سے سو دو سو قدم

کے فاصلے پر تھے کہ اس کی ویرانی نے ہمیں لپک کر آیا جیسے وہ ہمارا استقبال کر رہی ہو۔ دلوں میں اتری ہوئی شام اور بھی گہری ہو گئی۔





$$2 \times 5 = 10$$

4۔ درج ذیل میں سے کوئی سے پانچ سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے۔

- (i) حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کن الفاظ میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی؟
- (ii) ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد میرزا عبدالقیوم نے کس شوق میں وقت گزارنے کی منصوبہ بندی کی تھی؟
- (iii) صبح سویرے پڑوسی کی ”گولہ باری“ سے کیا مراد ہے؟
- (iv) گدھ، سانپ اور کبوتروں کے درمیان دو تکی کس بنا پر ہوئی؟
- (v) ”لاکھ پردوں میں تُو ہے بے پردہ“ سے کیا مراد ہے؟
- (vi) نظم ”مذہبِ صبح“ میں شمع کے قطروں کو کس سے تشبیہ دی گئی ہے؟
- (vii) حسرت موہانی نے ”چکن کی مشقت“ کس سلسلے میں برداشت کی تھی؟
- (viii) غالب کے نزدیک یہ دنیا ”باز پچھ اطفال“ کیوں ہے؟

5

5۔ درج ذیل میں سے کسی ایک نثری سبق کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

(الف) محسن محلہ (ب) بابل کے کھنڈر

15

6۔ درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک عنوان پر مضمون لکھیے۔

(i) والدین کی اطاعت (ii) جہیز ایک لعنت (iii) نوگ اور سوگ: اسباب، اثرات اور تدارک

$$2 \times 5 = 10$$

7۔ درج ذیل عبارت کو غور سے پڑھیے اور نیچے دیے گئے سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے۔

مختلف انسان مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ زبانوں کو ان کے ماہروں نے مختلف خاندانوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ان میں دو خاندان بہت مشہور ہیں: ایک سامی اور دوسرا آریائی۔ سامی خاندان میں عربی اور عبرانی وغیرہ شامل ہیں۔ آریائی خاندان میں نہ صرف پاکستان اور ہندوستان کی بہت سی زبانیں شامل ہیں بلکہ یونانی، اطالوی، جرمن، فرانسیسی اور انگریزی زبانوں کا شام بھی اسی خاندان میں ہوتا ہے۔ دراصل آریائی خاندان زبانوں کا بہت بڑا خاندان ہے اور اس سلسلے کا کوئی دوسرا خاندان اس کی وسعت کی برابری نہیں کر سکتا۔ زبانوں کے آریائی خاندان کی شعاعیں پاکستان، ہندوستان، ایران، انگلستان اور یورپ کے مختلف ممالک تک پھیلی ہوئی ہیں۔

سوالات:

- (i) زبانوں کے دو مشہور خاندان کون کون سے ہیں؟
- (ii) عربی اور انگریزی زبانیں، زبانوں کے کس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں؟
- (iii) آریائی خاندان کی جن زبانوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، ان کے نام لکھیے۔
- (iv) ہماری قومی زبان اُردو کا تعلق کس خاندان سے ہے؟
- (v) دنیا کے کون کون سے ممالک ایسے ہیں جہاں آریائی خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں؟

